حقیقی تعلیماتِ اسلامیہ امامیہ کا بے باک ترجمان

ماہنامہ

دقائقِ اسلام

سرگودھا

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت
بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

جون ۲۰۱۱

زاہد کالونی نزد جوہر کالونی سرگودھا
فون: 048-3021536

اہلِ ایمان کے لیے عظیم خوش خبری

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ علامہ شیخ محمد حسین نجفی کی شہرۂ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ منظرِ شہود پر آچکی ہیں۔

1. **فیضان الرحمٰن فی تفسیر القرآن** کی مکمل دس جلدیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے جسے بڑے مباہات کے ساتھ برادران اسلامی کی تفاسیر کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ مکمل سیٹ کا ہدیہ صرف دو ہزار روپے۔
2. **زاد العباد لیوم المعاد** اعمال و عبادات اور چہاردہ معصومین کے زیارات، سر سے لے کر پاؤں تک جملہ بدنی بیماریوں کے روحانی علاج پر مشتمل مستند کتاب منظرِ شہود پر آگئی ہے۔
3. **اعتقادات امامیہ** ترجمہ **رسالہ لیلیہ** سرکار علامہ مجلسی جو کہ دو بابوں پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں نہایت اختصار و ایجاز کے ساتھ تمام اسلامی عقائد و اصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مہد سے لے کر لحد تک زندگی کے کام انفرادی اور اجتماعی اعمال و عبادات کا تذکرہ ہے۔ تیسری بار بڑی جاذب نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہو کر منظر عام پر آگئی ہے۔ ہدیہ صرف تیس روپے۔
4. **اثبات الامامت** ائمۂ اثناعشر کی امامت و خلافت کے اثبات پر عقلی و نقلی نصوص پر مشتمل بے مثال کتاب کا پانچواں ایڈیشن۔
5. **اصول الشریعة** کا نیا پانچواں ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے۔ ہدیہ ڈیڑھ سو روپے۔
6. **تحقیقات الفریقین** اور
7. **اصلاح الرسوم** کے نئے ایڈیشن قوم کے سامنے آگئے ہیں۔
8. **قرآن مجید مترجم** اردو مع **خلاصة التفسیر** منظرِ شہود پر آگئی ہے جس کا ترجمہ اور تفسیر فیضان الرحمٰن کا روح رواں اور حاشیہ تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے جو قرآن فہمی کے لیے بے حد مفید ہے۔ اور بہت سی تفسیروں سے بے نیاز کردینے والا ہے۔
9. **وسائل الشیعہ** کا ترجمہ تیرھویں جلد بہت جلد بڑی آب و تاب کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے۔
10. **اسلامی نماز** کا نیا ایڈیشن بڑی شان و شکوہ کے ساتھ منظر عام پر آگیا ہے۔

منجانب: **منیجر مکتبة السبطین**

9/296 بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

جلد ۱۵ جون ۲۰۱۱ء شمارہ ٦

مُدیر اعلیٰ : ملک مُمتاز حسین اعوان

مُدیر : گلزار حسین محمدی

پبلشر : ملک مُمتاز حسین اعوان

مطبع : انصار پریس بلاک ۱۰

مقام اِشاعت : جامعہ علمیہ سُلطان المدارس سرگودھا

کمپوزنگ : الخطاط کمپیوٹرز 0307-6719282

فون : 048-3021536

زرِ تعاون 300 روپے

لائف ممبر 5000 روپے

فہرست مضامین

اداریہ

اتحادِ ملتِ اسلامیہ وقت کی اہم ضرورت

عالمِ اسلام میں اس وقت زبوں حالی کا مرض انتہائی گہرائیوں تک پہنچ چکا ہے مسلمان ممالک کے سربراہان عالمی طاغوتی طاقتوں کے دامِ تزویر میں پھنس کر رہ گئے ہیں، پوری دُنیا کے مسلمان انتہائی کرب ناک کیفیت سے دوچار ہیں۔ عراق، افغانستان، فلسطین، کشمیر اور بوسنیا کے مسلمان ظلم و جور کی چکی میں پس رہے ہیں، مظلوم اور بے گناہ لوگوں کا قتل عام کیا جارہا ہے۔ مسلمان حکمران اپنی اپنی حکمرانی کی حفاظت میں مصروف عمل ہیں، ان سب مظالم اور استحصال کا سبب اُمتِ مسلمہ کا باہمی اختلاف و انتشار ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام اہلِ اسلام باہمی فروعی اور علاقائی و لسانی اختلافات بھلا کر ملتِ واحدہ بن جائیں اور اتحاد و یگانگت سے اسلام کی مخالف قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں، تاکہ مسلمان قوم اپنے دین اسلام پر خود عمل پیرا ہو کر دیگر اقوام کی رہنمائی و رہبری کی طرف توجہ دیں۔

وطنِ عزیز پاکستان میں کچھ عرصہ سے مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کا بے دریغ خون بہا رہے ہیں، ہزاروں خواتین بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہوئے۔ اسلام کے داعی اور شدت پسند مذہبی گروہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ اسلام کی خدمت نہیں، بلکہ دینِ اسلام کی سراسر مخالفت ہے۔ عالمی طاغوتی قوتیں سب مسلمانوں کو ایک جیسا سمجھتی ہیں اور وہ سب کے مشترکہ دُشمن ہیں۔ کاش یہ بات، وہ لوگ جو غیروں کے مفاد کے لیے کام کر رہے ہیں، سوچتے اور اسلامی اتحاد کی کوشش کر کے غیروں کے ارادے خاک میں ملا دیتے۔

ہمارے پیارے پیغمبرؐ کی تعلیمات کے مطابق ہر کلمہ گو دُوسرے کلمہ گو کا بھائی ہے۔ نیز فرمایا ایک مسلمان دُوسرے مسلمان کے لیے دیوار کی مانند ہے جس کی اینٹ دُوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے۔ پیارے نبیؐ کا یہ بھی فرمان ہے کہ تمام مسلمان جسدِ واحد کی مانند ہیں، جب ایک عضو تکلیف میں ہو تو سارا جسم درد اور بے چینی محسوس کرتا ہے۔

دقائقِ اسلام کے صفحات پر بارہا ہم نے اتحادِ اُمت کی طرف اہلِ اسلام کی توجہ دِلائی ہے۔ ہم تمام مکاتبِ فکر کے علماء اور دانشور حضرات سے دل کی گہرائیوں سے اپیل کرتے ہیں کہ تعلیماتِ اسلام کے لیے متحد ہو جائیں اور ایک آواز ہو کر مسلمانوں کی خیر خواہی اور فلاح و بہبود کے لیے سینہ سپر ہو جائیں، تاکہ ظلم و غارت گری کے بادل چھٹ جائیں اور اُمت اسلامیہ عزت کی زندگی بسر کر سکے۔

آخر میں ہم ولایت ائمہ معصومین علیہم السلام سے متمسک اہلِ ایمان سے دست بستہ عرض پرداز ہیں کہ آپس کے اختلافات بُھلا کر اہلِ ایمان پر ہونے والے مظالم کی روک تھام کے لیے کوشش کریں اور نفرت انگیز تحریروں اور تقاریر سے اجتناب کیا جائے اور انتشار پیدا کرنے والی قوتوں کی حوصلہ شکنی کی جائے، تاکہ اصلاحِ احوال کے مواقع پیدا ہو سکیں۔ قرآنِ حکیم، نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی سیرت پر عمل پیرا ہو کر اپنے اور دُوسروں کے لیے امن کا پیغام دے سکیں۔

اللہ ہمارا اور آپ کا حامی و ناصر ہو

باب العقائد

موجودہ دور کے اکثر مدعیان تشیع کے مفوضہ اور شیخی العقیدہ ہونے کا بیان

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

گزشتہ شمارہ میں ہم نے ثابت کیا تھا کہ شیعہ علماء محققین کو مقصرو وہابی کہنے والے پیشہ ور مقررین اور ان کے دام تزویر میں پھنسے ہوئے بظاہر مومنین شیخی العقیدہ اور مفوضہ کے باطل عقائد کے حامل اور مروج ہیں۔ چنانچہ مئی کے شمارہ میں اس سلسلہ میں صرف ایک عقیدہ باطلہ کا تذکرہ کیا گیا تھا کہ یہ مفوضہ اور شیخیوں کا عقیدہ ہے کہ سرکار محمد و آل محمد انسانی نوع سے تعلق نہیں رکھتے، ان کی نوع علیحدہ ہے۔ آج اس سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے ان کے چند دیگر عقائد باطلہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

شیخیہ اور تفویض والا عقیدہ:

فرقہ شیخیہ کے نزدیک تفویض ثابت ہے۔ چنانچہ شیخ احمد احسائی اور اس کے اتباع نے جا بجا اپنی کتب میں اس عقیدہ فاسدہ کو بزعم خود ثابت کیا ہے اور تفویض ممنوع سے اس تفویض استقلالی کو مراد لیا ہے۔ جس سے خدا کا معطل محض ہونا لازم آتا ہو۔ چنانچہ شیخ موصوف نے شرح زیارت جامعہ کے صفحہ ۲۹۳ سے لے کر صفحہ ۲۹۹ تک اس مطلب کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے غلو و تفویض کے متعلق مفصل کلام حقیقت ترجمان پر شرح الزیارۃ کے صفحہ ۳۸۰ اور ۳۸۱ پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے تفویض کو ثابت کرنے اور ائمہؑ کے خالق و رازق ہونے کو غلو و تفویض قرار نہ دینے کی سعی نامشکور کرتے ہوئے لکھا ہے:

و لا تکون غالیا اذ لا تری لاحد فعلا بدون للہ و لا مشرکا اذ لا تری انہم فاعلون مع اللہ و لا کافرا کذلک اذ لا تری انہم فاعلون بدون للہ و لا مفوضا اذ لا تری انہم بتعم للہ فاعلون علی الاستقلال کما یفعل الوکیل عن موکلہ الخ

یعنی اس عقیدہ سے نہ تو تم غالی بنتے ہو کیونکہ تمہارا اعتقاد نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ کام اللہ کے بغیر کرتا ہے اور نہ ہی تم مشرک ہو کیونکہ تمہارا یہ نظریہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ مل کر فاعل ہیں اور نہ ہی کافر ہو۔ کیونکہ تم ان کو خدا کے سوا فاعل نہیں سمجھتے، اور نہ ہی تم تفویض ممنوع کے قائل ہو۔ کیونکہ تمہارا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ وہ اللہ کے احسان سے علی الاستقلال فاعل ہیں (۳۸۰) پھر صفحہ ۳۸۱ پر ازراہ تعجب لکھتے ہیں:

و کیف ینکر ھذا و امثالہ و یقبل ما ھو اعظم فی حق الملائکۃ الذین ھم من سائر خدامھم و بنحو ما تجوزہ فی الملائکۃ الذین فیھم موکل بالسحاب و تصریف الریاح و تقدیر الموت و الحیوۃ و الرزق و الخلق و غیر ذالک تجوزہ فیھم۔

بالطریق الاولی۔ الخ

بھلا ائمہؑ کے خالق ورازق وغیرہ ہونے کا کیونکر انکار کیا جاتا ہے؟ حالانکہ ایسی باتیں ملائکہ کے متعلق قبول کرلی جاتی ہیں جوکہ ائمہؑ کے خادم ہیں۔ جب تم ملائکہ کے متعلق یہ جائز سمجھتے ہوکہ ان میں سے کچھ بادل و ہوا چلاتے ہیں اور کچھ موت وحیات مقدر کرتے اور کچھ خلق ورزق کے کام کرتے ہیں تو پھر بطریق اولیٰ ائمہؑ کے حق میں کیوں ان امور کو جائز نہیں سمجھتے؟۔

اسی طرح شیخ موسیٰ شیخی نے کتاب احقاق الحق کے صفحہ ۲۹۲ پر تفویض کو ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے:

ان التفویض الذی ورد النھی عنہ فی الاخبار و حکم بکفر قائلہ العلماء الاخیار ھو التفویض علی طریق الاستقلال لا ما ذکرنا من التفویض الصحیح و ھو تصرفھم فی ملک اللہ سبحانہ و مملکتہ باذنہ و مشیتہ و ارادتہ و المصرح فی الآیات ایضا ھو نفی الخلق و الرزق و الاحیاء و الاماتۃ عن غیر اللہ عزو جل المدعی للالوھیۃ اوالاستقلال او الشراکۃ لا مطلقا حتی یشمل ما ذکرنا۔ الخ

یعنی وہ تفویض جس کے متعلق احادیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے اور جس کے قائل کو علماء اخیار نے کافر قرار دیا ہے اس سے مراد تفویض استقلالی ہے، نہ وہ تفویض جس کا تذکرہ ہم نے کیا ہے۔ یعنی یہ کہ یہ بزرگوار خدا کی مملکت میں اسی کے اذن وارادہ سے جو چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں۔ اسی طرح آیات میں بھی غیر خدا سے خلق رزق اور اماتت واحیاء کی جو نفی کی گئی ہے تو اس سے مقصود بھی ان امور کی اس ذات سے نفی کرنا ہے جس کے متعلق الوہیت یا استقلالی یا خدا کا شریک ہونے کا دعویٰ کیا جائے۔ مطلقا ان افعال کی غیر خدا سے نفی نہیں کی گئی تاکہ ہماری جائز تفویض کو شامل ہوسکے۔

ہم تیسرے باب میں ان تمام خرافات کے تحقیقی و تفصیلی جوابات پیش کرچکے ہیں، فلا نطیل الکلام بالتکرار۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

شیخیہ اور مظاہر اسماء اللہ والا عقیدہ

مظاہر اسماء والی بحث کو بھی فلاسفہ وصوفیہ کے بعد شیخیہ فرقہ نے ہی زیادہ اہمیت و ہوا دی ہے۔ چنانچہ شیخ احمد احسائی شرح الزیارۃ صفحہ ۲۸۹ پر آیت مبارکہ: للہ الاسماء الحسنی فادعوہ بہا کے ذیل میں لکھتے ہیں:

و نقول یا کریم یا رحیم یا جواد یا غفور و ھکذا الی سائر اسمائہ و ھی ھم علیھم السلام۔ الخ

یعنی تم جو کہتے ہو یا کریم یا رحیم یا جواد یا غفور تا آخر اسماء خدا تو اس سے مقصود حضرت آل محمدؑ ہیں۔

نیز ۳۸۴ پر یہی بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے: و ھم معانی افعالہ۔ یعنی ائمہ اہل بیتؑ خدا کے افعال کے معانی ہیں۔ یعنی خدا کے افعال کا ظہور ان سے ہوتا ہے۔

اس امر کی مزید وضاحت اسی کتاب کے صفحہ ۲۹۴ پر موجود ہے۔ وہاں لکھا ہے:

و اما ھذا السر فقد قلنا اولا انہ کونھم معانیہ سبحانہ ای معانی اسمائہ و افعالیہ کما تقدم و کونھم ابوابہ تعالی التی منھا یوتی و منھا یمنع و یعطی و یفقر و یغنی و یضحک و یبکی و یقبض و یبسط و یمیت و یحیی و یامر و ینھی الی غیر ذالک من افاعیلہ الخ

یعنی یہ راز ہم قبل ازیں بیان کرچکے ہیں کہ ائمہ

اہل بیتؑ خدا کے اسماء و افعال کے معانی ہیں اور یہ خدا کے وہ دروازے ہیں کہ انہی کے ذریعہ خدا تک رسائی حاصل ہوتی ہے اور انہی کے ذریعہ سے خدا روکتا ہے اور عطا کرتا ہے اور انہی کے توسط سے فقیر اور امیر بناتا ہے، انہی سے ہنساتا اور رُلاتا ہے، ان ہی کے ذریعہ سے تنگی اور وسعت عطا کرتا ہے اور انہی کے ذریعہ سے مارتا و جلاتا اور انہی کے توسط سے امر و نہی وغیرہ افعال کا اظہار کرتا ہے۔

شیخ احسائی کے مشہور تلمیذ سید کاظم رشتی اپنی کتاب شرح القصیدہ صفحہ ۸ پر ظاہر و مظہر کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولما كانت الولاية لا بد لها من مظهر حامل وجب ان يكون حاملها و مظهرها اشرف المخلوقات الموجودات الخ

یعنی چونکہ ولایت کے لیے ایک حامل اور مظہر کا ہونا لازمی ہے تو واجب ہے کہ اس ولایت کا حامل اور اس کا مظہر اشرف المخلوقات ہو۔

اسی طرح سید کاظم موصوف کے شاگرد شیخ کریم خان اپنی کتاب فطرت سلیمہ کے صفحہ ۲۵۳ پر لکھتے ہیں:

ولما كان هو صلى الله عليه و آله مظهر اسم الحي ربه حيوة كل حي و هو عقل الكل المدبر لجميع ما سواه الخ

یعنی چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم الحی کے مظہر ہیں، اور انہی کے ذریعہ ہر زندہ کو زندگی حاصل ہے، اور وہ عقل کل ہیں اور تمام ماسوائے اللہ کے ناظم و مدبر ہیں۔

ہم ان تمام لغویات کے مکمل جوابات تیسرے باب کے ذیل میں پیش کر چکے ہیں، وہاں رجوع کیا جائے۔

شیخیہ اور علم غیب والا عقیدہ

شیخ احمد احسائی نے جا بجا اپنی کتب میں ائمہ اہل بیتؑ کے عالم الغیب ہونے کے عقیدہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ ہاں البتہ وہ ان کو بالذات نہیں بلکہ بتعلیم اللہ عالم الغیب جانتے ہیں۔ چنانچہ شرح الزیارۃ صفحہ ۱۲۰ پر لکھتے ہیں:

فاذا قيل لا يعلمون الغيب بمعنى من ذاتهم فهو حق الى ان قال و اذا قيل علمهم الله فهو حق الخ

یعنی جب یہ کہا جائے کہ یہ بزرگوار بالذات علم غیب نہیں جانتے تو یہ حق ہے۔ اور جب یہ کہا جائے کہ خدا نے ان کو اس کی تعلیم دی ہے تو یہ برحق ہے۔ کذا افاد الشیخ موسیٰ فی الاحقاق صفحہ ۳۲۹

علم غیب کے متعلق ہم ساتویں باب میں مکمل بحث کر چکے ہیں۔ قارئین کرام اس مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔

بقیہ باب الاعمال

تفریط کے درمیان ہوتا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو بے شک خدا فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اعتدال و میانہ روی:

یہ اسراف و تبذیر کی ضد ہے، سابقہ اوراق میں اسراف و تبذیر کی ضمن میں اعتدال و میانہ روی کے موضوع پر بقدر ضرورت تبصرہ کیا جا چکا ہے اور یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اعتدال و میانہ روی اسلام کا خصوصی طغرائے امتیاز ہے۔

باب الاعمال

اسراف و تبذیر اور اعتدال و میانہ روی

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

اسراف و تبذیر اور اعتدال و میانہ روی

اسراف یہ ہے کہ آدمی مال خرچ تو وہاں کرے جہاں کرنا چاہیے مگر کرے ضرورت سے زیادہ اور تبذیر یہ ہے کہ بے محل مال خرچ کیا جائے۔ ہر دو کے لیے جامع لفظ فضول خرچی ہے، چونکہ عربوں میں فیاضی فضول خرچی کی حد تک پہنچ گئی تھی، اس لیے اسلام نے سختی سے فضول خرچی سے روکا ہے۔ فضول خرچی کا چونکہ نتیجہ افلاس ہے، اس لیے حدیث میں وارد ہے:

ما افتقر من اقتصد جو درمیانہ روی سے کام لیتا ہے وہ کبھی فقیر و قلاش نہیں ہوتا۔ (احیاء العلوم)

ارشاد قدرت ہے:

وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا. (بنی اسرائیل)

رشتہ دار مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو اور فضول خرچی مت کرو کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرگزار ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی جو لوگ شادی بیاہ، اور خوشی و غم کی تقریبوں میں اس قسم کی فضول خرچیوں کے مرتکب ہوتے ہیں وہ قرآن کی اصطلاح میں شیطان کے بھائی کہلائیں گے۔ یہ تعلیم فیاضی کے خلاف نہیں کیونکہ فیاضی بخل اور اسراف کے درمیان کا نام ہے، خدا اسی کا حکم دیتا ہے:

و لا تجعل يدك مغلولة الى عنقك و لا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا. (بنی اسرائیل)

اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑو کہ گویا گردن میں بندھا ہے اور نہ بالکل اس طرح پھیلاؤ کہ تہی دست ہو کر قابل ملامت حالت میں بیٹھ جاؤ۔

اعتدال کی تعلیم اسلام کا خاص طرہ امتیاز ہے، اس لیے اللہ نے مسلمانوں کا امتیازی وصف یہ قرار دیا ہے کہ:

و الذين اذا انفقوا لم يسرفوا و لم يقتروا و كان بين ذلك قواما. (الفرقان)

جب خرچ کریں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ ہی بالکل تنگی کرتے ہیں بلکہ ان کا یہ خرچ افراط و

(باقی صفحہ ۵ پر)

باب التفسیر

وراثت بیوگان کے سلسلہ میں ایک ضروری وضاحت

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ (۱۲)

ترجمۃ الآیات:

اور جو ترکہ تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اس میں سے آدھا تمہارے لیے ہوگا، اگر ان کی اولاد نہ ہو اور اگر ان کے اولاد ہو تو پھر تمھیں ان کے ترکہ کا چوتھا حصہ ملے گا۔ یہ تقسیم اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہوگی جو انھوں نے کی ہو اور اس قرضہ کی ادائیگی کے بعد جو ان کے ذمہ ہو۔ اور وہ (بیویاں) تمھارے ترکہ میں سے چوتھے حصہ کی حقدار ہوں گی، اگر تمھاری اولاد نہ ہو۔ اور اگر تمھارے اولاد ہو تو پھر ان کا آٹھواں حصہ ہوگا۔ اور (یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہوگی جو تم نے کی ہو اور اس قرض کو ادا کرنے کے بعد جو تم نے چھوڑا ہو۔ اور اگر میت (جس کی وراثت تقسیم کی جانے والی ہے) کلالہ ہو۔ یعنی یا مرد ہو یا عورت بے اولاد ہو اور اس کے ماں باپ نہ ہوں۔ مگر بھائی بہن ہو تو اگر اس کا صرف ایک بھائی ایک بہن موجود ہو تو بھائی یا بہن کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو پھر وہ کل ترکہ کی ایک تہائی میں برابر کے شریک ہوں گے۔ مگر (یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہوگی جو کی گئی چھوڑنے والا وارثوں کو) ضرر پہنچانے کے درپے نہ ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے لازمی ہدایت ہے، اور اللہ بڑے علم و حلم والا ہے۔ (۱۲)

تفسیر الآیات:

ولکم نصف ...... الآیۃ

سابقہ فرائض کے علاوہ اس آیت میں دو فرائض کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جن میں سے ایک کا تعلق سببی رشتہ سے ہے، جو ازدواجی تعلق سے پیدا ہوتا ہے۔ اور دوسرے کا نسبی رشتہ سے ہے۔ جو خون کا رشتہ ہے۔ پہلی قسم یعنی سببی کے ذیل میں چار مسئلے آتے ہیں:

۱. زوجہ کا انتقال ہو جائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو، نہ اس شوہر سے اور نہ کسی اور شوہر سے تو شوہر کو آدھا ترکہ ملے گا۔

۲. زوجہ وفات پا جائے مگر اس کی کوئی اولاد ہو لڑکا یا لڑکی یا ہر دو، اس شوہر سے یا کسی پہلے شوہر سے تو اس صورت میں شوہر کو اس کے ترکہ کا چوتھائی ملے گا۔

۳. شوہر فوت ہو جائے اور اس کی کوئی اولادِ اناث وذکور نہ ہو، نہ اس بیوی سے اور نہ کسی اور سے، تو اس کی بیوی کو چوتھائی حصہ ملے گا۔

۴. شوہر کا انتقال ہو اور اس کی اولاد ہو، اس بیوی سے یا کسی اور بیوی سے تو اس صورت میں بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔

وراثت بیوگان کے سلسلہ میں ایک ضروری وضاحت

یہاں اس بات کی تھوڑی سی وضاحت کر دینا ضروری ہے جو کہ فقہ جعفریہ کے متفردات میں سے ہے کہ دوسرے تمام ورثاء میت کی تمام متروکہ جائیداد (منقولہ وغیر منقولہ) میں سے حصہ پاتے ہیں، مگر زوجہ کو غیر منقولہ جائیداد میں سے کچھ حصہ نہیں ملتا۔ خواہ وہ صاحب اولاد ہو یا غیر صاحب اولاد، باقی منقولہ ترکہ میں سے ہر چیز سے چوتھا یا آٹھواں حصہ پاتی ہے۔ یہ تفصیل اگرچہ قرآن سے ثابت نہیں ہوتی، مگر احادیث سے ثابت ہے۔ برادران اسلامی کی جانب سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ حدیثیں خلاف قرآن ہونے کی وجہ سے مستند نہیں ہیں، اس کے جواب میں عرض ہے کہ یہ ہمارا بھی ایمان ہے کہ اگر کوئی حدیث قرآن کے خلاف ہو تو وہ حجت نہیں ہوتی، مگر مخالفت کا مفہوم سمجھنا ضروری ہے کہ کسی حدیث کے مخالف قرآن ہونے کا مطلب کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی حکم قطعی طور پر قرآن مجید میں مذکور ہو اور کوئی حدیث اس حکم کے خلاف بتلائے تو ظاہر ہے کہ وہ روایت مخالف قرآن ہونے کی بنا پر رد کر دی جائے گی۔ لیکن اگر کوئی چیز قرآن میں بظاہر مذکور ہی نہ ہو یا اگر ہو تو مجمل ہو اور کوئی حدیث اس کا حکم بتائے یا قرآن میں اجمال ہے اور حدیث اس کے قیود و شرائط کی تفصیل بتائے تو اس کا نام مخالفت نہیں ہے، بلکہ یہ قرآن کی تفسیر و تشریح ہے اور اس کا بیان ہے اور اسی معنی میں حدیث ماخذ احکام ہے اور حجت ہے، جیسا کہ سابقہ آیت کے ذیل میں چھ مسائل بیان کیے گئے ہیں کہ جہاں قرآن نے اصحاب الفروض کے فرائض بیان کیے ہیں، باقی ترکہ کے بارے میں خاموش نظر آتا ہے، وہاں حدیثوں سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ ہمارے زیر بحث مسئلہ کی یہی حیثیت ہے کہ قرآن مجید میں یہ اجمالاً مذکور ہے کہ زوجہ کو شوہر کے ترکہ سے حصہ ملے گا، مگر یہ تفصیل مذکور نہیں ہے کہ منقولہ سے ملے گا یا غیر منقولہ سے، تو اگر حدیث اس کی تفصیل بیان کر دے کہ عورت کا رشتہ چونکہ مرد سے عارضی ہے، لہٰذا اس کی وراثت بھی عارضی مال سے ہوگی، جو کہ منقولہ ہے اور مستقل مال یعنی غیر منقولہ جائیداد کے وارث وہ لوگ ہوں گے جن کا میت سے مستقل یعنی خونی رشتہ ہے، تو اس کو قرآن کے اجمال کی تفصیل سمجھا جائے گا، اسے قرآن کے مخالف قرار دینا درست نہیں ہے۔ (اس موضوع کی باقی تفصیلات اور اس

مسئلہ کے تفصیلی دلائل قوانین الشریعہ میں درج ہیں، اس کی طرف رجوع کیا جائے۔)

کلالہ کا مسئلہ:

جس کا تعلق نسبی رشتہ داری سے ہے

مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ کلالہ کے معنی میں اختلاف ہے۔ حضرت عمرؓ آخر وقت تک اس میں متردد رہے۔(تفہیم القرآن جلد ا صفحہ ۳۳۱)

کلالہ کی لفظ قرآنِ مجید میں دو جگہ استعمال ہوئی ہے، ایک یہاں اور دوسری اس سورت کی آخری آیت میں یہاں اس آیت میں وارد شدہ لفظ کلالہ کے بارے میں مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی مرد یا عورت مرجائے اور وہ بے اولاد ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں، مگر اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن یا اس سے زیادہ بھائی بہن موجود ہوں مگر ہوں بالاتفاق اخیافی یعنی میت سے صرف ماں کی طرف سے رشتہ دار ہوں۔ اور ان کا باپ دوسرا ہو، تو اس صورت میں اس کلالۃ الام کا حکم یہ ہے کہ پہلی صورت "میں (جبکہ بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں) تو ان کو ایک ثلث (ایک تہائی) ملے گا جو سب پر برابر تقسیم کیا جائے گا۔ اب اگر وہ بھائی بہن میت کے سگے بھائی بہن ہوں یا صرف باپ کی طرف سے سگے ہوں یعنی کلالۃ الابوین ہوں یا صرف کلالۃ الاب تو اس سورت کا حکم اس سورۃ کی آخری آیت میں مذکور ہے کہ اگر کوئی لاولد شخص مرجائے (اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں) اور اس کی صرف ایک بہن ہو (سگی یا صرف باپ کی طرف سے) تو وہ اس کے ترکہ میں سے نصف پائے گی اور اگر کوئی بہن بے اولاد مرجائے (اور ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں) تو اس کا بھائی (پورے مال کا) وارث ہوگا اور اگر مرنے والے کی دو بہنیں ہوں تو وہ اس کے دو تہائی ترکہ کی وارث ہوں گی، اور اگر کئی بھائی بہنیں ہوں (مگر ہوں علاتی) تو عورتوں کو اکہرا اور مردوں کو دوہرا حصہ ملے گا۔ انصاف شرط ہے کہ اگر صحیح وارثان قرآن یہ تشریح نہ کرتے تو کیسے معلوم ہوتا کہ پہلا حکم اخیافی بہن بھائیوں کا ہے اور دوسرا حکم کلالۃ الابوین اور کلالۃ الاب یعنی علاتی بہن بھائیوں کا ہے، جن کا باپ ایک ہو اور مائیں الگ الگ۔ اگر یہ ذوات مقدسہ وضاحت نہ کرتے تو بظاہر قرآن میں اختلاف نظر آتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں دونوں جگہ لفظ کلالہ موجود ہے مگر ہر جگہ حکم الگ الگ ہے۔ یہ تفصیل متفق علیہ ہے۔ مگر قرآن میں یہ تفصیل مذکور نہیں ہے، اس سے بھی پتا چلتا ہے کہ حدیث کی ضرورت ناقابل انکار ہے۔ اور یہ بات عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے کہ ترجمان قرآن کے کلام و بیان کے بغیر قرآن کا حقیقی مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا۔ وما یعلم تاویلہ الا اللہ و الراسخون فی العلم

من بعد وصیة .... الآیة

سابقہ آیات میں بھی اور یہاں بھی خدائے حکیم نے وراثت کے جو حصے مقرر کیے ہیں ان سب کے ساتھ یہ قید لگائی ہے کہ یہ حصے میت کی وصیت پوری کرنے اور قرضہ ادا کرنے کے بعد مستحقین کو ملیں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے لازمی ہدایت ہے۔ جس کی مخالفت

جائز نہیں ہے اور اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو خدا علیم وحلیم اور بردبار ہے، لہٰذا اگر وہ برداشت کرے اور سزا نہ دے تو یہ اس کا حلم اور بادباری ہے ورنہ آدمی مخالفت کر کے غضب الٰہی کا مستوجب قرار پاچکا ہے۔

تنبیہ: یہاں وصیت کی لفظ مجمل ہے۔ اس کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی کہ کتنی مقدار میں کی جائے۔ تو نافذ ہوتی ہے۔ مگر احادیث اہل بیت علیہم السلام میں یہ تفصیل مذکور ہے کہ اگر مرنے والا اپنے مال کے ایک ثلث تک وصیت کر جائے تو وہ نافذ العمل ہوتی ہے اور ورثاء کو اس کے رد کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اور اگر ایک ثلث سے زیادہ ہو تو پھر اس کا نفاذ ورثاء کی رضا مندی پر موقوف ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر وہ راضی ہو جائیں تو سب میں نافذ ہوگی، ورنہ صرف ثلث میں نافذ ہوگی۔ اس سے زائد مقدار میں نافذ نہیں ہوگی۔ (وسائل الشیعہ)

نیز یہاں وصیت کے ساتھ غیر مضار کی قید لگائی گئی ہے کہ وہ وصیت ضرر پہنچانے والی نہ ہو۔ اس سے ایک ثلث سے زیادہ والی وصیت مراد ہو سکتی ہے۔ اور کوئی دوسری ایسی وصیت بھی جس سے ورثاء کو ضرر و زیاں پہنچنے کا اندیشہ ہو، جیسے کسی کے لیے بلا وجہ وصیت کر دی جائے، جس سے حقیقی وارثوں کا نقصان ہو۔ (تفسیر صافی)

باب الحدیث

لوگوں کے ساتھ مہر و محبت سے پیش آنے کا تذکرہ

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

انسان کہتے ہیں اس آدمی کو جس میں انس و محبت اور اخوت و ہمدردیٔ خلائق کا جذبہ پایا جائے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ

فرشتوں سے افضل ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

یا جس طرح کسی شاعر نے کہا ہے

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

یہی وجہ ہے کہ حقیقی کامل انسانوں یعنی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام نے لوگوں سے ازراہ لطف و مہربانی اور مہر و محبت کے ساتھ پیش آنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

❶ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے:

کونوا اخوۃ بررۃ متحابین فی اللہ تراحمین تزاوروا و تلاقوا و تذاکروا امرنا واحیوہ

ایک دوسرے کے نیکوکار بھائی اور اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں محبت کرنے والے، ایک دوسرے پر رحم کرنے والے بن کے رہو۔ اور ایک دوسرے سے میل و ملاقات کرنے والے اور ہمارے علوم کا مذاکرہ کرنے والے بن کے رہو اور ہمارے امر (دین) کو زندہ رکھنے کی کوشش کرو۔ (اصول کافی)

❷ حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:
خدا اس بندہ پر اپنا رحم و کرم فرمائے جو ہمارے امر دین کو زندہ کرتا ہے۔ (اصول کافی)

❸ خیثمہ (صحابی) بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام علیہ السلام نے مجھے سرفرمایا: اے خیثمہ

ان تری من موالینا السلام و امرھم بتقوی اللہ العظیم وان یعود غنیھم علی فقیرھم و قویھم علی ضعیفھم و ان یشھدھم علی جنازۃ میتھم و ان یتلاقوا فی بیوتھم فان لقیا بعضھم بعضا حیوۃ لامرنا رحم اللہ عبدا احیی امرنا یا خیثمۃ ابلغ موالینا انا لا نغنی عنھم من اللہ شیئا الا بعمل و انھم من ینالوا و لایتنا الا بالورع و ان اشد الناس حسرۃ یوم القیامۃ من وصف عدلاً ثم خالفہ الی غیرہ۔ (اصول کافی)

اے خیثمہ ہمارا جو موالی تمہیں ملے اسے ہمارا سلام پہنچا، اور ان کو تقوائے الٰہی اختیار کرنے

کی وصیت کر اور اس بات کی بھی وصیت کر کہ ان کا مالدار اپنے غریب و نادار بھائی اور ان کا طاقت ور اپنے کمزور بھائی کے ساتھ مہر و محبت سے پیش آئے اور ان کا زندہ اپنے مردہ بھائی کے جنازہ میں شرکت کرے اور یہ کہ وہ ایک دوسرے کے گھروں میں جا کر باہمی میل و ملاقات کریں۔ کیونکہ ان کا آپس میں باہم میل و ملاقات کرنا ہمارے امر (دین) کی حیات کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بندے پر اپنا خاص رحم و کرم فرمائے جو ہمارے امر کو زندہ رکھتا ہے۔

اے خیثمہ ہمارے موالیوں کو یہ بتادو کہ ہم تمہارے عمل صالح کے بغیر تمھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور یہ بھی انھیں بتادو کہ قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ حسرت و ندامت میں وہ شخص گرفتار ہوگا جو زبان سے عدل و انصاف اور نیکی کی تعریف کرے گا اور مقام عمل میں اس کے خلاف کام کرے گا۔ (اصول کافی)

سوالات جناب سید عارف حسین شاہ نقوی ایم اے ڈیرہ اسماعیل خان (گزشتہ سے پیوستہ)

سوال نمبر ۲۲۷: بکر کی بیوی سے ناچاقی ہوئی، اس نے ایک مولوی صاحب کو بلوایا اور گواہوں کے سامنے عربی زبان میں طلاق کے صیغے ایک ساتھ پڑھ کر طلاق دے دی۔ اب کافی مدت ہو گئی، یعنی ایک سال ہو چکا ہے، اب ان بیک وقت صیغوں کے پڑھے جانے اور طلاق دیے جانے کے بعد بکر بیوی سے رجوع کر سکتا ہے یا حلالہ لانا پڑے گا؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسمہ سبحانہ: چونکہ یہ طلاق رجعی ہے، ایک نشست میں جس قدر بھی صیغے پڑھے جائیں، طلاق ایک ہی سمجھی جاتی ہے اور شوہر رجوع کر سکتا ہے، مگر عدت کے اندر اندر۔ مگر اب تو چونکہ سال گزر چکا ہے، لہٰذا اب رجوع تو نہیں ہو سکتا، البتہ عقد جدیدہ پڑھ کر رشتہ عقد و ازدواج کی تجدید کی جا سکتی ہے۔ حلالہ وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

سوال نمبر ۲۲۸: زید نے بیک وقت بیوی کو صیغے پڑھ کر گواہوں کے سامنے طلاق دے دی، اب وہ کسی اور سے عقد نکاح کر سکتی ہے؟ عدت کتنی ہوگی؟

الجواب باسمہ سبحانہ: طلاق تو صحیح ہے، اور جہاں تک عدت کا تعلق ہے وہ تحقیقی قول کے مطابق تین طہر ہے۔ ایک طہر وہ جس میں طلاق دی گئی، دوسرا طہر وہ ہوگا جب عورت ایام مخصوصہ کے بعد غسل کرے گی، اور جب دوسری بار ایام سے پاک ہوگی تو یہ تیسرا طہر متصور ہوگا۔ اس اثنا میں شوہر رجوع کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سوال نمبر ۲۲۹: اگر مسنونہ خطبات و کلمات نکاح نہ پڑھے جائیں اور صرف ایجاب و قبول ہو تو کیا عقد منعقد ہو جائے گا؟

الجواب باسمہ سبحانہ: عقد نکاح کے ارکان تین ہیں: (۱) ایجاب عورت کی طرف سے (۲) قبول مرد کی جانب سے (۳) اور حق مہر۔ ان امور ثلاثہ کی انجام دہی سے عقد نکاح واقع ہو جاتا ہے۔ خطبہ وغیرہ پڑھنا بہرحال مستحب ہے، وہ صحت نکاح کی شرط نہیں ہے، اور نہ ہی واجب ہے۔ کما لا یخفیٰ۔

سوال نمبر ۲۳۰: جو بھی رؤیت کا دعویٰ کرے اس کو جھوٹا سمجھو (انوار النجف جلد ۲ صفحہ ۲۱۳)

کیا امام زمانہ بالمشافہ ملاقات فرماتے ہیں، یا خواب میں زیارت کراتے ہیں۔ کسی بزرگ یا جید عالم و

مجتہد کو بلا واسطہ یا بالواسطہ خواب یا کسی اور طریقہ سے رہنمائی فرماتے ہیں۔ روایات کیا ہیں۔ فقہی مسائل میں وہ مسائل کہاں کہاں درج ہیں جن میں غیبت کبریٰ میں امام زمانہؑ نے کسی مجتہد کی راہنمائی فرمائی ہو اور اس مجتہد نے فتویٰ تبدیل کیا ہو؟ آئے دن لوگوں کو راستہ دکھانے اور خصوصاً خواب میں امام زمانہؑ اور دوسرے معصومینؑ کی زیارت و ملاقات کے قصے بیان ہوتے ہیں۔ مگر ایران عراق یا آج کل نجف اشرف اور کوفہ و کربلا کے حالات، اور آیات اللہ آج خود جس مخمصہ میں پھنسے ہوئے ہیں، ان کی راہنمائی کیوں نہیں ہوتی؟

الجواب باسمہ سبحانہ: محقق طوسی علیہ الرحمہ نے تجرید الاعتقاد میں بڑے پتے کی بات کہی ہے:

وجود الامام لطف و تصرفہ لطف آخر و عدمہ منا

کہ امام کا وجود ایک لطف الٰہی ہے۔ اور اگر ہم اب اس دوسرے لطف سے محروم ہیں کہ امام اپنے مقررہ وظائف کو انجام نہیں دے رہے تو اس کا باعث ہم خود ہیں کہ ہماری ہی کج رفتاری و ناہنجاری کی وجہ سے وہ پردہ غیبت میں روپوش ہوئے ہیں۔ بنابریں پردہ غیبت سے نکل کر اور منصۂ شہود پر آکر ہماری راہنمائی کرنا ان کے فرائض میں شامل نہیں ہے۔ سچ ہے کہ خود کردہ را علاجے نیست۔ اسی لیے امام کے نامہ مقدسہ سے یہ توقیع صادر ہوئی کہ جو شخص یہ بڑ ہانکے کہ اس کی امام زمانہؑ سے ملاقات ہوتی ہے یعنی وہ امام کی خدمت میں ہوتا ہے، یا امام اس کے ہاں تشریف لاتے ہیں، امام نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ چلو دعوائے ملاقات کی ممانعت وارد ہوئی۔ لیکن فی الحقیقت ملاقات ہو سکتی ہے یا نہ؟ تو اس کے متعلق گزارش ہے کہ اس بات کے امکان عقلی میں تو کوئی کلام نہیں ہے، مگر ساری بحث کا محور تو یہ ہے کہ آیا یہ امکان کبھی وقوع پذیر بھی ہوا ہے یا نہ؟ اگرچہ واقعات و روایات سے تو کتابیں بھری پڑی ہیں۔ مگر یقین و اذعان اور اطمینان جنان کے ساتھ اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا کرے تو اس کا فضل و کرم ہے۔ اور اگر امام زمانہؑ کریں تو یہ ان کا لطف و کرم ہے۔ ورنہ یہ بات ان کے فرائض و وظائف میں داخل نہیں ہے۔ واللہ العالم بحقائق الامور

سوال نمبر ۲۳۱: غیبت کبریٰ میں امام زمانہ کا کردار اور ذمہ داری کیا ہے؟

الجواب باسمہ سبحانہ: جو امر مختلف اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ امام زمانہ اس وقت چند امور کو انجام دیتے ہیں:

1. سب سے پہلے عبادت پروردگار
2. اپنے شیعوں اور موالیوں کے لیے دعاء خیر اور دشمنان سے حفاظت کی دعاء و پکار
3. سید الشہداءؑ کے مصائب و آلام پر گریہ و بکاء
4. انتظار ظہور و امید کشائش کار وغیرہ وغیرہ

ہم اس لائق تو نہیں کہ صاحبان عقل و دانش اور دیگر ذمہ داران ملت کو کوئی مشورہ دیں۔ ان صاحبان کو بہتر اور اپنے آپ کو ان سے کم تر سمجھتے ہیں۔ لیکن روز مرہ کے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں بعض حقائق اور چند گزارشات ان کی خاموش اور پرسکون خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کر رہے ہیں۔

یوں تو اہل محراب و منبر اور صاحبان دین و دانش کی ایک قلیل تعداد طویل عرصہ سے سیرت معصومینؑ کی اتباع میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اصلاح امت کے اہم فریضہ کو بطریق احسن سرانجام دے کر جہلائے قوم کی واہیاتیوں، گالیوں، طعنوں اور انواع و اقسام کے بے ہودہ فتووں کے زہر آلود تیر بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کر کے عاشورائی اقدار کی حفاظت کی خاطر رسم شبیریؑ ادا کر رہی ہے۔ لیکن یہ بھی ایک نہایت افسوس ناک پہلو ہے کہ ذمہ داران کی اچھی خاصی تعداد بعض نا معلوم وجوہات اور پوشیدہ مفادات کے پیش نظر اس مقدس فریضہ سے کنی کترا کر خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہی ہے۔

پوری ملت تشیع کے ساتھ ساتھ ہم بھی اس روش و رفتار کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ بظاہر تشیع سے منسلک بے لگام و بے مہار ایک مخصوص گروہ مذہب شیعہ خیر البریہ کے اصول و فروعات کے طور اطوار تبدیل کر کے مسلک تشیع کو ایک نئے انداز میں مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کے دور کا بدنام زمانہ دین الٰہی بنانے پر کمربستہ ہو چکا ہے۔

تعلیمات قرآنی اور فرامین معصومینؑ کی پاک و پاکیزہ راہ سے ہٹ کر اپنی تقریر و تحریر میں نت نئے خود ساختہ عقائد و رسومات بیان کر کے قوم کی کم علم اور تحقیق سے بے خبر جمعیت کو گمراہی کے اندھے کنوئیں میں دھکیلتے ہوئے نت نئے بال و پر والا مذہب لوگوں کی جیبوں میں ڈال کر اپنی جیبیں زر و مال سے بھر رہے ہیں۔

ہمارے منبروں سے جو رطب و یابس بعض جہلاء اب تک نشر کر چکے ہیں، جس کے چند نا قابل تردید حقائق اور نا قابل دید مناظر ہم بیان کرتے جا رہے ہیں، اگر کوئی دوسرا شخص یہ بیان کردہ مواد جو بظاہر ہم شیعہ کے کھاتہ میں شامل ہے، سامنے رکھ کر ہم سے سوال کر بیٹھے کہ کیا یہی شیعیت ہے؟ تو واللہ ہمارے پاس کوئی مدلل جواب نہ ہوگا۔ ہم نے بروقت اپنی بے خبری کو خبر گیری میں نہ بدلا تو کف افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔

اناڑیوں اور مداریوں کے ہاتھوں عقیدہ تشیع کی تباہی و بربادی کے بعد اگر ہم یہ موقف اپنائیں کہ یہ بے ہودہ

عقائد اور بے بنیاد اعمال ہمارے نہیں اور ان دروغ گو بیان بازوں سے ہمارا کوئی تعلق واسطہ نہیں تو کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ سارا تماشہ ہماری ہی امام بارگاہوں اور منبروں سے دکھایا جا رہا ہے۔ ذمہ داران ملت تشیع کے خوابیدہ ہوش و حواس میں حرارت پیدا کرنے کی غرض سے چند عجوبے بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔ جن تمام کے دستاویزی ثبوت موجود ہیں۔

۱ ایک جاہل مطلق عرصہ سے برسر منبر بیان کر رہا ہے کہ محمدؐ کی شریعت الگ ہے اور حسینؑ کی شریعت الگ، شریعت محمدیؐ میں بعض چیزیں حرام تھیں وہ حسینؑ کی شریعت میں حلال ہیں۔ جن میں سے چند ایک کو بیان بھی کرتا ہے۔ اندھا، بہرہ، گونگا بھی اس بیان سے یہی نتیجہ اخذ کرے گا کہ امام حسینؑ کو الگ سے صاحب شریعت ماننا شریعت محمدیؐ کی رو سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بیان کر کے شرع میں تحریف کرنا اللہ پاک سے اعلان جنگ، قرآن پاک سے برملا بغاوت اور عقیدہ ختم نبوت کو ذبح کرنا ہے، جو ہر لحاظ سے صریح کفر ہے۔

اس مضحکہ خیز، حیرت انگیز اور کفر آمیز بیان سے عقل سلیم اور طبع مستقیم کا حامل کوئی بھی شخص لامحالہ یہی نظریہ قائم کرے گا کہ شیعہ شریعت محمدی کے قائل اور پیروکار نہیں اور شرع محمدی کے علاوہ بھی کوئی شریعت موجود ہے جو شرع مذکور میں تبدیلی کر چکی ہے۔

کیا فرماتے ہیں ذمہ داران ملت اس ضمن میں کیا اسی کا نام شیعت ہے؟ کیا یہی مقصد شہادت حسینؑ ہے؟ کیا اسی کا نام درس کربلا ہے؟ کیا یہی عقیدہ ختم نبوت ہے؟ شریعت کی پاسداری اسی کا نام ہے؟

۲ بعض کہنے والے ہزارہا لوگوں کی موجودگی میں حضرت علیؑ کے اللہ ہونے کا اعلان کر رہے ہیں کہ علیؑ رازق، علیؑ خالق، علیؑ رب (نقل کفر کفر نہ باشد) اللہ واسطے بتائیں کہ غیر اللہ کو اللہ، رازق، رب، خالق اور قدیم کہنا اور ماننا شرک اور کہنے والے مشرک نہیں تو اور کیا ہیں؟ لطف کی بات کہ یہ تمام مشرکانہ صدائیں ہماری امام بارگاہوں ہی سے بلند ہو رہی ہیں۔

کیا کوئی شیعہ کہہ سکتا ہے کہ یہ امام بارگاہ، یہ منبر اور ایسا پڑھنے والے ہمارے نہیں۔ اگر یہ سب کچھ ہمارا نہیں تو اور کس کا ہے؟ حضرت علیؑ کو رازق، رب اور خالق کہنے والے کون ہیں؟ ایسی بے سروپا باتیں کرنے والا اگر مسلمان بھی ہے اور شیعہ بھی ہے تو پھر خدارا بتا تو ہی اور کافری کیا ہے؟

۳ شیعہ مجالس میں اکثر و بیشتر مدعو کیا جانے والا ایک شاعر غلو سے لبریز اپنے مجموعہ شاعری کو سر پر رکھ کر کئی ہزار عزاداروں کی موجودگی میں اعلان کرتا ہے کہ مثل قرآن میرے سر پر ہے۔ سامعین کی واہ واہ کی ہوہا بلند ہوتی ہے، نعرہ حیدری فضاؤں میں گونجتا ہے۔ یہ سب کیا ہے؟ اللہ پاک کا تو چیلنج ہے کہ اگر کوئی قرآن کو نبیؐ کا خود ساختہ کہتا ہے تو اس جیسی ایک سورۃ ہی لے آئے۔ تا صبح قیامت یہ چیلنج قائم ہے کہ تمام جن و انس مل کر بھی ایسا قرآن نہیں لا سکتے۔ اگر یہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔ (بنی اسرائیل: ۸۸)

چودہ سو سال کے طویل عرصہ میں کوئی مائی کا

لال جرأت نہ کر سکا کہ کوئی کلام گھڑ کر کہے کہ یہ مثل قرآن ہے۔ افسوس صد افسوس کہ شیعہ علیؑ ہونے کا مدعی شیعہ امام بارگاہ، شیعہ مجلس عزاء، شیعہ منبر اور شیعوں ہی کے روبرو اللہ کے چیلنج کو چیلنج کر رہا ہے، قوم سن رہی ہے اور محاسبہ نہیں کرتی۔ شیعہ سامعین کی خاموشی سے بظاہر لگتا ہے کہ یہ تشیع ہی کا عقیدہ ہے کہ کوئی دوسری تحریر مثل قرآن ہو سکتی ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی یہ تشیع کا عقیدہ ہے۔

۴ ایک فنکار اپنے فاسد بیان میں فاطمۃ الزہراءؑ کے حق مہر کے حوالے سے امام بارگاہ میں شیعہ منبر پر شیعوں کی موجودگی میں بڑی بے باکی سے کہتا ہے کہ بی بی پاک کا حق مہر مقرر کیا جاتا ہے جو اللہ کر رہا ہے۔ حق مہر میں جاگیر فدک دی جاتی ہے۔ (حالانکہ بوقت نکاح فدک حاصل ہی نہ ہوا تھا) بی بی خاموش، حجاز و یمن، ساری زمین پھر ہفت افلاک دیے جاتے ہیں، بی بی خاموش، عرش کرسی، لوح و قلم اور کوثر و تسنیم دینے کے بعد بھی بی بی خاموش۔ اللہ پاک اپنے صفات و کمالات بی بی کو حق مہر میں پیش کرتا ہے بی بی خاموش، بالآخر بقول اس مکار اور کذاب کے اللہ پاک فرماتا ہے کہ اے فاطمہؑ اگر تم اس پر بھی راضی نہیں تو میں اپنی توحید تمہیں حق مہر میں دیتا ہوں۔ (العیاذ باللہ)

اس تہمت باز کی نجس زبان سے ایسی کافرانہ باتیں سن کر قوم خاموش بیٹھی ہے۔ کیا ملت بتا سکتی ہے کہ یہ اسلامی نظریات اور شیعہ عقائد ہیں، یا کوئی اور شے ہے؟ کیا توحید باری تعالیٰ کوئی ایسی الگ شے ہے جسے اللہ کسی کو بطور تحفہ یا ہدیہ عنایت کر دے۔

۵ ایک اور نمونہ۔ یہ بے ہودہ کلام ایک رباعی کی صورت میں ہے۔ ولادت مولا علیؑ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

جلی کے گھر جو آیا تھا جلی جیسا ہی ہونا تھا
ولی نے جو بنایا تھا ولی جیسا ہی ہونا تھا

آخری دو مصرعے کہ اللہ کی کوئی شکل و صورت نہیں۔ اگر اللہ کسی شکل میں ہوتا تو علیؑ جیسا ہی ہونا تھا۔

اے شیعہ قوم اللہ، نبیؐ، علیؑ، قرآن، دین و شریعت اور محراب و منبر سے انصاف کریں۔ آپ کیا سن رہے ہیں؟ آپ کو کیا سنایا جا رہا ہے؟

۶ اخلاقی پستی کا ایک حیا سوز مظاہرہ، مجلس عزاء میں لگ بھگ ہزار کے مجمع میں ایک جوان عورت چہرہ سے نقاب الٹ کر منبر کے عین سامنے آ کر کسی شہوت انگیز فلمی گانے کی فحش طرز پر پڑھنے والے نامحرم قصیدہ خوان کے ہاتھ میں نقد انعام تھما دیتی ہے۔ بنت علیؑ کے پردے کو رونے والے ایسے مناظر دیکھ کر اور خاموش رہ کر خدا جانے کس امام اور کس مخدومہ کی اتباع کر کے کس کی شفاعت کے خواہش مند اور کونسی جنت کے متلاشی ہیں؟ یہ ایک اشارہ ہے، ورنہ ان خبروں سے آگے بیان اور بھی ہیں۔

۷ ایمان و عمل سے کوسوں دور ایک صاحب کہتے پھرتے ہیں کہ سبحان اللہ محمد و آل محمد کی کیا شان ہے۔ ان کی مرضی آئے تو وہ (اللہ) بن جاتے ہیں۔ اور جب اللہ کی مرضی آئے تو وہ یہ (محمدؐ و آل محمدؐ) بن جاتا ہے۔

خدا را انصاف کریں، اس احمقانہ اور جاہلانہ

جملے کا وزن کر کے بتائیں کہ کیا یہی شیعہ عقائد ہیں؟ اور ایسے عقائد کا پرچار کرنے والے شیعہ خطباء، مبلغین اور متولین ہیں؟

اے قوم شیعہ

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

۱ ضروریات دین کی بے وقعتی اور بے حرمتی کا یہ عالم ہے کہ دوران مجلس اگر کوئی دانستہ یا نادانستہ نماز کا ذکر کر بیٹھے تو اس کے خلاف عمر بن سعد کے لشکری ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے اور مسلسل کہا جا رہا ہے کہ نماز تو شمر لعین بھی پڑھتا تھا اور حضرت حر نے کتنی نمازیں پڑھی تھیں کہ جنتی بن گئے۔ اذان کی آواز آئے تو اسے دربار یزید میں دی جانے والی اذان کہہ کر موذن کو دشمن عزاداری جیسے القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ دوران جلوس اور مجلس ادائیگی نماز کے خلاف کتابچے تشیع عوام میں مفت تقسیم کیے جا رہے ہیں۔ نماز کے حوالے سے نازیبا الفاظ کا استعمال زبان زد عام ہے۔ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ نماز و اذان کی مخالفت کا نام اسلام ہے؟ کیا یہی تشیع ہے؟ کیا اسی کا نام حسینیت ہے؟

ملت تشیع کو یاد دہانی کراتے چلیں کہ موجودہ منبر اسی منبر کا تسلسل ہے جس پر جلوہ افروز ہو کر رسول معظمؐ نے اللہ کی وحدانیت و یکتائی، اپنی رسالت و نبوت، اپنے بھائی علیؑ کی ولایت و وصایت، قرآن کے اسرار و رموز اور شریعت کے قواعد و ضوابط بیان فرمائے ہیں۔ اس منبر کو اس حیثیت میں بڑے پر آشوب ادوار میں سے عظیم قربانیاں دے کے یہاں تک لایا گیا ہے۔ افسوس صد افسوس کہ آج بعض جہلائے قوم نے اس منبر پر اچھلنے کودنے اور ناچنے والے بھمبیر بٹھا کر توحید خدا کی حکمرانی رسالت و نبوت کی سلطانی کی بجائے ولایت علیؑ کی نافرمانی، تفسیر قرآن میں من مانی اور مقصد کربلا سے روگردانی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ مندرجہ بالا تلخ حقائق کے علاوہ ایسی ہفوات کی طویل فہرست ہے جس کو ہم انشاء اللہ اپنی کتاب تفصیل الهفوات میں پیش کر رہے ہیں۔ اسی پر اکتفا کرتے ہوئے ہم اپنے مقصد مضمون کو بیان کرتے ہیں۔

پیشتر ازیں عرض کر چکے ہیں کہ ہم اس لائق تو نہیں کہ خیر خواہان ملت اور ذمہ داران تشیع کو کوئی مشورہ دیں، لیکن التجاء ایک سوال ہے کہ اس طوفان بدتمیزی کے آگے بند باندھنے اور آپ ذمہ داران کی خاموشی کے قفل ٹوٹنے کے لیے مزید کتنا وقت اور فاسد مواد درکار ہے۔

۱ وہ کون سی کسر ہے جو ابھی نکلنا باقی ہے؟ کون سا بل ہے جو تاحال نہ ڈالا گیا ہو؟

۲ مزید کتنے خود ساختہ عقائد و نظریات جہلاء کی فیکٹریوں سے تیار ہو کر قوم شیعہ کے کھاتہ میں ڈالے جانے بقایا ہیں؟

۳ بت پرستی کے زہر میں بجھے کتنے جان لیوا تیر شریعت محمدیؐ کے نازک جگر میں پیوست ہونے سے رہ گئے ہیں؟

۴ کیا شیعیت کے پاک و پاکیزہ وجود کو بدعات و خرافات کے گلی کوچوں میں گھسیٹنا رہتا ہے؟

۵ بدعقیدگی کے کتنے بدنما داغ ہیں جو تشیع کے برف نما شفاف دامن پر لگنے سے رہ گئے ہیں؟

۶ کتنی خوفناک سیاہی شیعیت کے پرنور چہرہ پر لگائی جانی باقی ہے؟

۷ کتنی مشرکانہ اور کافرانہ ضربیں جسد تشیع پر لگنا ہیں، جن کا انتظار کیا جارہا ہے؟

جہاں تک ہمارا مطالعہ و مشاہدہ ہے، پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ حقیقت تو کچھ یوں ہے کہ:

۱ حقیقت تو کچھ یوں ہے کہ ہماری ہی امام بارگاہوں اور منبروں سے اللہ وحدہ لاشریک کی وحدانیت کی نفی اور تثلیث نما توحید کی تبلیغ کی جارہی ہے۔

۲ اللہ وحدہ لاشریک ہونے کو ایک سمت رکھ کر مخلوق کو خالق حقیقی کا شریک ٹھہرایا جارہا ہے۔

۳ عقیدہ ختم نبوت کو پس پشت ڈال کر سرد خانے کی نذر کر دیا گیا ہے۔

۴ نظریہ امامت میں غلو کی غلاظت ملا کر توحید کے برابر لاکھڑا کر دیا گیا ہے۔

۵ قرآن کریم کو محض رسمی کتاب سمجھ کر من مانی تفسیریں کر دی گئی ہیں۔

۶ آل محمدؐ کو تصوراتی بنا کر قرآن سے الگ کر کے حدیث ثقلین کی دھجیاں کذب و افتراء کی فضاؤں میں بکھیر دی گئی ہیں۔

۷ شریعت محمدیؐ کو موم کی ناک سمجھ کر جس طرف جی چاہے مروڑ دیا جارہا ہے۔

۸ دین اسلام میں نماز جیسی عظیم ضرورت کو بے ضرورت بنا کر اس کے متبادل پیش کر دیے گئے ہیں۔

۹ معبود برحق کی بارگاہ میں سجدہ ریزی کی بجائے اینٹ، پتھر، گارے، چونے اور جانوروں کو مسجود بنا کر سجدے کیے جارہے ہیں۔

۱۰ باخبر ذرائع کے مطابق جانوروں کا فضلہ بطور تبرک کھایا اور بہ نص قرآن حرام شدہ خون بطور ثواب و شفاء نوش کیا جارہا ہے۔

۱۱ ڈھول ڈھمکوں سروں تالوں اور راگوں کو رواج دے کر مجالس عزاء کو محفل موسیقی کی مثل بنایا جارہا ہے۔

۱۲ طبلے، سارنگی اور دھمالوں کی لے پر پروان چڑھنے والی ناک کٹی اور کان کتری شخصیت کو اصل شیعیت کے روپ میں پیش کیا جارہا ہے۔

۱۳ گلوکاروں، اداکاروں، فنکاروں حتی کہ غیر مسلم مکاروں کو منبر حسینی پر بٹھا کر علامہ اور مفسر قرآن جیسے خطابات و القابات سے نواز دیا گیا ہے۔

۱۴ مجتہدین، آیت اللہ، حجت الاسلام و المسلمین جیسے معیار پر پورا اترنے والے علمائے حقہ کو جہلاء نے گالیوں اور لعنتوں کے طوق گلے میں پہنا دیے ہیں۔

۱۵ عمل صالح کی اہمیت و افادیت کو زیر پا روند کر فقط نعرۂ مستانہ کے عوض جنت جیسی جاگیر کے ٹکٹ مفت میں فروخت کیے جارہے ہیں۔

۱۶ نبیؐ اور آل نبیؐ کی چودہ سو سال سے مصدقہ و مروجہ نماز میں بے نمازیوں نے تحریف کر کے اغیار کے سامنے اپنی نماز کے ناقص ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔

۱۷ ستم بالائے ستم یہ کہ روز عاشور نماز ترک کر کے

حسینؑ بن علیؑ کی عاشورائی نماز کو فراموش کر دیا گیا ہے۔

۱۸ امام المتقین کی ولادت باسعادت کے پرنور موقع پر درود و سلام اور قصائد کی بجائے ابلیسی ڈھول کی ڈھم ڈھم پر قلندری دھمالوں کا رواج زوروں پر ہے۔

۱۹ فرمان مصطفیٰ ﷺ میں بیان کردہ پیش گوئی کے مطابق منبروں پر لنگور اور بندر ناچ رہے ہیں۔ ڈھول اور ڈگڈگیاں بج رہی ہیں۔

۲۰ لطیفوں، چٹکلوں اور قہقہوں کا نہ تھمنے والا شور بپا ہے۔ مسخرے، ٹھٹھے باز اور مخولیے منبروں پر قابض ہو کر دین کے ٹھیکے دار بنے بیٹھے ہیں۔

۲۱ فضائل و مصائب کی مد میں جھوٹ بیانی کی آخری حدیں کب کی پھلانگی جا چکی ہیں۔

۲۲ تفسیر بالرائے کے طوفان بدتمیزی نے شیعیت کی محکم بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔

۲۳ فلسفہ ظہور کی آڑ میں ولادت معصومینؑ کا انکار کر کے ان کے والدین شریفین کی نفی کی جا رہی ہے۔

۲۴ حد ہو گئی کہ حسینؑ ہی کے نام پر مقصد حسینؑ کو ملیا میٹ کیا جا رہا ہے۔

۲۵ قصائد کی محافل کو ٹورنامنٹ کی شکل دے کر میڈل اور ٹرافیاں بطور انعام دی جا رہی ہیں۔

بہت سارے حقائق سے صرف نظر کرتے ہوئے فی الحال اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ کہیں ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو، ورنہ معاملہ بہت دور تک پہنچ چکا ہے۔ خدارا کوئی ہے جو بتائے یہ سب کیا ہے؟ کیا ہم جھوٹ لکھ رہے ہیں؟ اللہ وحدہ لاشریک کی قسم سب سچ ہے۔ وافر ثبوت و شواہد موجود ہیں۔

بقیہ: خلافت قرآن کی نظر میں

سے مالک و وارث و جانشین بنایا، جبکہ خدا کے اقتدار اعلیٰ کے حقیقی نمائندے فرعون اور اس کے لشکر کے غرق ہونے سے پہلے بھی حضرت موسیٰ ہی تھے اور ان کے غرق ہونے اور ان کے مالوں میں بنی اسرائیل کے مالک و وارث و جانشین بن جانے کے بعد بھی خدا کی حکومت اور اقتدار اعلیٰ کے حقیقی نمائندے حضرت موسیٰ ہی تھے لہٰذا یہ بنی اسرائیل کو خدا کا خلیفہ بنانے کی بات نہیں تھی۔ موسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا تھا لیستخلفکم خدا تمہیں ان کا جانشین اور مالک و وارث بنا دے گا اور پیغمبر اکرمؐ نے یہ فرمایا تھا کہ لیستخلفنھم خدا ایمان لانے والوں کو ضرور ضرور کافروں اور اسلام کے دشمنوں کا جانشین اور ان کی زمینوں اور مکانوں کا مالک وارث بنا دے گا۔ یعنی موسیٰ نے بھی بنی اسرائیل کو ان کے دشمن کی زمینوں اور مکانوں کا مالک و وارث بنانے کا وعدہ کیا تھا اور پیغمبر اکرمؐ نے بھی اہل ایمان سے کافروں کی زمینوں اور مکانوں کا ہی وارث بنانے کا وعدہ کیا تھا۔ نہ موسیٰ نے ایمان لانے والوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ انھیں خدا کا خلیفہ بنا دیا جائے گا یا کسی ایسے منصب اور عہدہ پر جس کا نام خلافت ہے انھیں فائز کر دیا جائے گا، جہاں تک خدا کے اقتدار اعلیٰ کا تعلق ہے تو جس طرح موسیٰ ہی خدا کے اقتدار اعلیٰ کے نمائندہ تھے پہلے بھی اور بعد میں بھی اسی طرح خدائی اقتدار اعلیٰ کے نمائندے تو پیغمبر اکرمؐ ہی تھے وعدہ استخلاف کے پورا ہونے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی جو پیغمبر اکرمؐ کے سامنے ہی پورا ہو گیا، جس کا بیان آگے آتا ہے۔ (باقی آئندہ)

باب المتفرقات

مولود کعبہؑ کی ولادت باسعادت

تحریر: حجۃ الاسلام مولانا مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ

خانہ کعبہ ایک قدیم ترین عبادت گاہ ہے جس کی بنیاد آدم علیہ السلام نے ڈالی، اور جس کی دیواریں ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے اٹھائیں۔ اگرچہ یہ گھر بالکل سادہ، نقش ونگار سے معرا، زینت و آرائش سے خالی اور چونے اور پتھروں کی سیدھی سادھی عمارت ہے مگر اس کا ایک ایک پتھر برکت وسعادت کا سرچشمہ اور عزت و حرمت کا مرکز ومحور ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ

اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو محترم گھر قرار دیا ہے۔

خانہ کعبہ کی یہ عزت وحرمت دائمی وابدی ہے، جو نہ پہلے زمانہ و وقت کی پابند تھی اور نہ اب ہے، بلکہ روز تعمیر سے اسے بلند ترین عظمت اور غیر معمولی مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے اور اب بھی اس کی مرکزیت واہمیت بدستور قائم ہے، جس کا اظہار مختلف اسلامی عبادات کے ذریعہ ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان چاہے وہ مشرق کا باشندہ ہو یا مغرب کا، عرب کا رہنے والا ہو یا عجم کا، جب بھی نماز کے لیے کھڑا ہوگا اسے ہی عبادت کی مرکزی سمت قرار دے گا۔ اور اس کے گرد چکر لگانا اور طواف کرنا اس احتیاط کے ساتھ کہ شانے اس کی سمت سے منحرف نہ ہونے پائیں۔ حج کا ایک بڑا رکن اور اس کی عظمت وتقدیس کا ایک خاص مظاہرہ ہے۔

حضرت علی علیہ السلام اسی متبرک و باعظمت گھر میں روز جمعہ تیرہ رجب تیس عام الفیل میں پیدا ہوئے اور یہ شرف خاص نہ ان سے پہلے کسی کو ملا اور نہ ان کے بعد کسی کو حاصل ہوگا۔ محدثین واہل سیر نے اسے حضرت امیر المومنینؑ کے مختصات میں شمار کرتے ہوئے اپنے کتب ومصنفات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ حاکم نیشاپوری تحریر کرتے ہیں:

تواترت الاخبار ان فاطمة بنت اسد ولدت امير المومنين على بن ابى طالب كرم الله وجهه فى جوف الكعبة. (مستدرک جلد۳ صفحہ ۴۸۳)

اخبار متواترہ سے ثابت ہے کہ امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ وسط خانہ کعبہ میں فاطمہ بنت اسد کے بطن سے متولد ہوئے۔

شاہ ولی اللہ نے بھی اسے نقل کیا ہے اور اس امر کی صراحت کی ہے کہ ان سے پہلے اور ان کے بعد کسی کو یہ شرف نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ وہ تحریر کرتے ہیں:

تواترت الاخبار ان فاطمة بنت اسد ولدت امیر المومنین علیاً فی جوف الکعبة فانه ولد فی یوم الجمعة ثالث عشر من شهر رجب بعد عام الفیل بثلثین سنة فی الکعبة ولم یولد فیها احد سواه قبله و لا بعده (ازالة الخفاء جلد صفحه ۲۵۱)

متواتر روایات سے ثابت ہے کہ امیر المومنین علیؑ بروز جمعہ تیرہ رجب تیس عام الفیل کو وسط کعبہ میں فاطمہ بنت اسد کے بطن سے پیدا ہوئے اور آپؑ کے علاوہ نہ آپ سے پہلے اور نہ آپ کے بعد کوئی خانہ کعبہ میں پیدا ہوا۔

عصر نو کے مصنف عباس محمود عقاد نے اس مبارک پیدائش کو خانہ کعبہ کی عظمت پارینہ کی تجدید اور خدائے واحد کی پرستش کے دور جدید سے تعبیر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ولد علیؑ فی داخل الکعبة و کرم الله وجهه عن السجود لاصنامها فکانما کان میلاده ثمة ایذانا بعهد جدید للکعبة و للعبادة فیها۔ (العبقریة الاسلامیه صفحه ۴۳)

علی بن ابی طالبؑ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے اور خداوند عالم نے ان کے چہرے کو بتان کعبہ کے آگے جھکنے سے بلند تر رکھا۔ گویا اس مقام پر حضرت کی پیدائش کعبہ کے نئے دور کا آغاز اور خدائے واحد کی پرستش کا اعلانِ عام تھا۔

اس طرح تقریباً ہر مورخ و سیرت نگار نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ البتہ کچھ لوگوں نے اس کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے ایسے گوشے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جس سے اس کی امتیازی و انفرادی حیثیت ختم ہو جائے اور یہ شرف، شرف نہ رہے، یا علیؑ سے مخصوص نہ رہے۔ چنانچہ کبھی یہ کہا گیا کہ خانہ کعبہ کے اندر ولادت میں رکھا ہی کیا ہے، جبکہ وہ اس وقت ایک بت خانہ کی حیثیت رکھتا تھا اور چاروں طرف سے بتوں میں گھرا ہوا تھا۔ اس کا جواب تو اتنا ہی کافی ہے کہ اگر مسجد کو مندر یا کلیسا میں تبدیل کر دیا جائے تو وہ حکم مسجد سے خارج نہیں قرار پاتی، بلکہ اس کی حرمت و تقدیس بدستور باقی رہتی ہے۔ اسی طرح بتوں کے عمل دخل سے خانہ کعبہ کی بھی حرمت و توقیر زائل نہیں ہو سکتی اور نہ اس کے دامن تقدیس پر حرف آ سکتا ہے۔ چنانچہ جب اسے عالم اسلام کا قبلہ قرار دیا گیا تو اس وقت بھی اس کے گرد و پیش بت رکھے ہوئے تھے۔ مگر یہ بت اس کے قبلہ قرار پانے سے مانع نہ ہو سکے۔ اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ عام الفیل سے تیرہ سال قبل فاختہ بنت زہیر کے بطن سے حکیم بن حزام بھی خانہ کعبہ میں پیدا ہوا تھا، تو اس میں شرف ہی کیا جبکہ ایک کافر بھی وہاں پیدا ہو سکتا ہے۔

یہ واقعہ ان وسیع النظر علماء و مورخین کے تصریحات کے خلاف ہے جنھوں نے صاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے کہ حضرت علیؑ سے پہلے اور ان کے بعد کوئی خانہ کعبہ کے اندر پیدا نہیں ہوا۔ اور پھر یہ مقام شرف ہے تو مسلم کے واسطے نہ کافر کے لیے۔ لہٰذا اگر کوئی کافر وہاں پر پیدا ہوتا ہے تو اس کے لیے یہ سبب اعزاز و افتخار نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ کفر کے ساتھ اس قسم کے امتیازات مورد فخر نہیں قرار پا سکتے۔ اگر کفر کی حالت میں زیارت رسولؐ وجہ شرف نہیں اور زیارت کعبہ قابل

تعریف نہیں تو اس میں پیدائش کیونکر وجہ نازش ہو سکتی ہے۔ البتہ اگر ایمان کے ساتھ ایسا ہوتا تو سبب امتیاز ہو سکتا تھا۔ اور علی بن ابی طالبؑ کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا، اس لیے کہ وہ نہ محکوم بالکفر تھے اور نہ کافر پیدا ہوئے۔ چنانچہ کتب اہل سنت میں یہ روایت موجود ہے کہ جب آپ شکم مادر میں تھے اور ماں بتوں کے آگے سرنگوں ہونا چاہتی تھیں، تو آپ شکم مادر میں اس طرح پیچ وتاب کھاتے کہ وہ بتوں کے آگے جھک نہ سکتی تھیں۔ اگرچہ یہ روایت شیعہ نقطہ نظر سے قابل تسلیم نہیں ہے مگر اتنا تو واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک بھی علیؑ کی زندگی کا کوئی لمحہ بطن مادر سے لے کر آغوش لحد تک کفرو شرک میں نہیں گزرا۔ اور پھر جنھوں نے ابن حرام کی ولادت کے متعلق لکھا ہے انھوں نے اسے ایک اتفاقی حادثہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے جس سے کسی شرف و بلندی کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ مگر امیر المومنین کی ولادت کسی اتفاقی حادثہ کی بجائے مشیت ایزدی کی کارفرمائی کا نتیجہ تھی۔ چنانچہ عباس بن عبد المطلب بیان کرتے ہیں کہ وہ اور یزید بن قعنب اور بنی ہاشم و بنی عزی کے چند افراد خانہ کعبہ کے پاس بیٹھے تھے کہ فاطمہ بنت اسد تشریف لائیں اور خانہ کعبہ کے قریب آ کر کھڑی ہو گئیں۔ ابھی ایک آدھ لحہ گزرا تھا کہ ان کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمودار ہوئے۔ لرزتے ہوئے ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے، مضطرب نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اے میرے پروردگار میں تجھ پر اور تیرے نبیوں پر اور تیری نازل کی ہوئی کتابوں پر ایمان رکھتی ہوں، تو اس باعزت گھر، اس گھر کے معمار اور اس مولود کے صدقہ میں جو میرے شکم میں ہے میری مشکل حل کر اور اس کی ولادت کو میرے لیے آسان کر دے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مولود تیرے جلال و عظمت کی نشانیوں میں سے ایک روشن نشانی ہے اور تو ضرور میری مشکل آسان کرے گا۔

عباسؓ کہتے ہیں کہ جب فاطمہ بنت اسد اس دعا سے فارغ ہوئیں تو ہم نے دیکھا کہ خانہ کعبہ کی عقبی دیوار شق ہوئی اور وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے فوراً اس نئے در سے اندر داخل ہو گئیں اور دیوار کعبہ شگافتہ ہونے کے بعد پھر اپنی اصلی حالت پر پلٹ آئی، گویا اس میں کبھی شگاف پڑا ہی نہ تھا۔

اس واقعہ کی صحت کو علماء شیعہ کے علاوہ علماء اہل سنت نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ علماء تشیع میں سے ابو جعفر طوسیؒ نے امالی میں علامہ مجلسیؒ نے بحار میں اور علماء اہل سنت میں سے میر صالح کشفی نے مناقب میں اور مولوی محمد مبین نے وسیلہ النجاۃ میں اسے درج کیا ہے۔

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ صورت یکا یک اور اتفاقیہ طور پر پیش نہیں آئی، اگر یہ اتفاقی حادثہ ہوتا تو نہ خرق عادت کے طور پر دیوار شق ہوتی اور نہ بنت اسد دیوار کے شگاف سے درانہ و بیباکانہ اندر داخل ہوتیں۔ بلکہ یہ غیبی طاقت ہی کا کرشمہ اور قدرت کی کارفرمائی ہی کا نتیجہ تھا۔ اس ولادت کے تین دن بعد تک فاطمہ بنت اسد بیت اللہ میں رہیں اور چوتھے دن مولد کو گود میں لیے ہوئے باہر آئیں۔

در پس پردہ آنچہ بود آمد
اسد اللہ در وجود آمد

پیغمبر اکرم جو منتظر و چشم براہ تھے آگے بڑھے اور اپنے محسن و مربی چچا کے لخت جگر کو ہاتھوں پر لے کر سینہ سے لگایا، بچے نے شمیم نبوت سونگھ کر آنکھیں کھول دیں اور سب سے پہلے جمال جہاں آرائے حبیبؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی آنکھوں کو روشن کیا۔ پیغمبرؐ نے اپنی زبان نومولود کے منہ میں دے کر آبِ وحی سے چمن امامت کی آبیاری کی۔ علم نبوت لعابِ دہن رسولؐ میں حل ہو کے علیؑ کے رگ و پے میں اترا، اور زبانِ پیغمبر نے گواہی دی کہ:

خصنی بالنظر وخصصته بالعلم

اس نے مجھے پہلی نگاہ کے لیے منتخب کیا میں نے اسے علم کے لیے منتخب کرلیا۔

حضرت علیؑ کو خانہ کعبہ سے کئی نسبتیں حاصل ہیں۔ پیغمبرؐ نے انھیں مثیل کعبہ فرمایا، انہی کے آباء و اجداد نے اسے تعمیر کیا اور وہی ہمیشہ اس کے پاسبان و نگہبان رہے اور اسے طاغوتی طاقتوں کی دستبرد سے بچاتے رہے۔ چنانچہ حسان بن عبد کلال نے اسے مسمار کرنا چاہا تو فہر بن مالک نے اسے شکست دے کر گرفتار کرلیا۔ ابرہہ بن اشرم نے ہاتھیوں کے ساتھ حملہ کیا تو حضرت عبدالمطلب در کعبہ پر جم کر کھڑے ہو گئے۔ اگر بت پرستوں نے اسے صنم کدہ بنا ڈالا تو انہی کے ہاتھوں نے پیغمبرؐ کے دوش پر بلند ہو کر اس کی تطہیر کی اور ایک ایک بت کو توڑ پھوڑ کر باہر پھینکا اور یہی ان کا مولد قرار پایا اور اس طرح ان کی ولادت کعبہ کی طہارت کی تمہید بن گئی۔

اگر آپ کی ولادت کو مکانی لحاظ سے یہ شرف حاصل ہے کہ بنائے خلیل مطاف خلق اور مامن عالم میں پیدا ہوئے تو زمانی لحاظ سے بھی یہ شرف ہے کہ آپ ماہ رجب میں پیدا ہوئے جو حرمت والے مہینوں میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی محترم مہینہ کی ستائیسویں تاریخ کو پیغمبر اکرمؐ کی بعثت ہوئی، اور دعوت اسلام کا آغاز ہوا۔ یہ ولادت و بعثت کا زمانی اتحاد علی اور اسلام کے اتحاد باہمی کا آئینہ دار ہے۔ چنانچہ کردار علیؑ اسلامی تعلیمات کا عکس بردار اور اسلامی تعلیمات سیرت علیؑ کا آئینہ ہیں۔ یہ دونوں ایک ساتھ پیغمبرؐ کے سایہ میں پروان چڑھے اور دونوں ایک دوسرے کی عظمت و رفعت کے پاسبان رہے۔

نام، لقب، کنیت

حضرت ابوطالبؑ نے اپنے جد قصی بن کلاب کے نام پر آپ کا نام زید رکھا اور فاطمہ بنت اسد نے اپنے باپ اسد کے نام پر حیدر نام تجویز کیا۔ اسد اور حیدر دونوں کے معنی شیر کے ہیں۔ چنانچہ آپؑ نے جنگ خیبر میں مرحب کے رجز کے جواب میں فرمایا:

انا الذی سمتنی امی حیدرا

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔

اور پیغمبر اکرمؐ نے قدرت کے ایماء پر آپؑ کو علیؑ کے نام سے موسوم کیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ابوطالبؑ ہی نے آپؑ کا نام علیؑ رکھا۔ اور سند میں ان کا یہ

شعر پیش کیا جاتا ہے:

سمیتہ بعلی کے یدوم لہ
عز العلو و فخر العزادومہ

میں نے ان کا نام علیؑ رکھا ہے تاکہ رفعت و سربلندی کی عزت ہمیشہ ان کے پائے نام رہے۔ اور عزت ہی وہ سرمایہ افتخار ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔

یہ نام جو اپنے اندر علو و بلندی کے معنی رکھتا ہے اسم با مسمی ثابت ہوا اور ہمیشہ کائنات میں بلند و بالا، پستی سے نا آشنا، رزم و بزم میں ورد زباں اور زمین کی فضاؤں سے لے کر آسمان کی بلندیوں تک گونجتا رہا۔ اگرچہ اموی حکمرانوں نے حضرتؑ کے نام اور کنیت پر پہرا بٹھا دیا تھا اور اس پر ناک بھوں چڑھاتے تھے۔ چنانچہ ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں تحریر کیا ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ کے فرزند کا نام علی اور کنیت ابوالحسن تھی۔ ایک دن علی بن عبداللہ، عبدالملک کے ہاں گئے تو اس نے کہا کہ میں تمہارا یہ نام اور کنیت گوارا نہیں کرسکتا۔ انھوں نے اپنا نام تو نہ بدلا مگر کنیت ابوالحسن کے بجائے ابو محمد رکھ لی۔ اسی ذہنیت کے زیر اثر صدیوں تک اسلامی حکمرانوں میں سے کسی کا نام علی نہ ہوسکا۔ مگر آج محمد کے بعد مسلمانوں میں سب سے زیادہ علی ہی کے نام پر نام رکھے جاتے ہیں اور صدیوں تک متروک اور سب وشتم کا ہدف قرار دیے جانے کے باوجود آخر یہ نام اسلام کے ساتھ ساتھ ہر گوشہ عالم میں پہنچ کے رہا۔

آپ کے القاب آپ کے متنوع اور گوناگوں اوصاف کے لحاظ سے متعدد ہیں، جن میں سے مرتضیٰ وصی اور امیر المومنینؑ زبان زد خلائق ہیں۔ اور مشہور و معروف کنیت ابوالحسنؑ اور ابوترابؑ ہے۔ پہلی کنیت بڑے بیٹے حسنؑ کے نام پر ہے۔ اور عرب عموماً فرزند اکبر ہی کے نام پر کنیت رکھا کرتے تھے۔ جیسے حضرت ابوطالب کی کنیت اپنے بڑے فرزند طالب کے نام پر ابوطالب اور حضرت عبدالمطلب کی کنیت اپنے بڑے بیٹے حارث کے نام پر ابوالحارث تھی۔ اور دوسری کنیت پیغمبر اکرمؐ نے تجویز فرمائی تھی۔ چنانچہ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ غزوہ عشیرہ کے موقع پر حضرت علیؑ اور عمار بن یاسر بنی مدلج کے ایک چشمہ کی طرف نکل گئے اور درختوں کے سایہ میں ایک نرم و ہموار زمین پر لیٹ گئے۔ ابھی لیٹے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ پیغمبر اکرمؐ بھی ادھر آ گئے، اور علیؑ کا بدن خاک میں اٹا ہوا دیکھ کر فرمایا: ما لک یا ابا تراب۔ اے ابوتراب یہ کیا حالت ہے۔ اور اس دن سے آپ کی کنیت ابوتراب قرار پائی۔ علامہ حلبی نے تحریر کیا ہے:

وکنی صلی اللہ علیہ وسلم فیھا علیا بابی تراب حین وجدہ نائما ھو و عمار بن یاسر وقد علق بہ التراب.

غزوہ عشیرہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کی کنیت ابوتراب رکھی، جبکہ رسول خدا نے انھیں اور عمار بن یاسر کو سوتے ہوئے پایا اور علیؑ خاک میں اٹے ہوئے تھے۔ (سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۲)

سب سے پہلے یہ کنیت آپ ہی کے لیے تجویز ہوئی اور آپ سے قبل کسی کی یہ کنیت نہ تھی۔ چنانچہ شیخ علاء الدین نے تحریر کیا ہے:

اول من کنی بابی تراب علی بن ابی طالب

سب سے پہلے علی بن ابی طالبؑ ہی ابوتراب کی کنیت سے پکارے گئے۔ (محاضرۃ الاوائل صفحہ ۱۲۳)

اس سلسلہ میں بخاری نے اپنی صحیح میں یہ روایت درج کی ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر اکرمؐ جناب سیدہؑ کے گھر میں تشریف لائے اور علیؑ کو وہاں موجود نہ پا کر دریافت کیا کہ علیؑ کہاں ہیں؟ جناب سیدہؑ نے کہا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ شکر رنجی ہو گئی ہے اور وہ غصہ میں بھرے ہوئے باہر چلے گئے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ایک شخص سے کہا کہ جا کر دیکھو کہ علیؑ کہاں ہیں۔ اس نے مسجد میں حضرت علیؑ کو لیٹے ہوئے دیکھا تو آنحضرتؐ سے پلٹ کر کہا کہ وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔ پیغمبرؐ مسجد میں تشریف لائے اور علیؑ کے خاک آلودہ بدن سے گرد جھاڑی اور فرمایا: قم یا ابا تراب۔ اے ابوتراب اٹھیے۔ اس کے بعد آپؑ ابوترابؑ کی کنیت سے یاد کیے جانے لگے۔

یہ روایت پہلی روایت سے مقام اور واقعہ کے اعتبار سے مختلف ہونے کے علاوہ درایۃً بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اس لیے کہ حضرت علیؑ اور جناب فاطمہؑ کی گھریلو زندگی کے واقعات یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ جناب فاطمہؑ ایک لمحہ کے لیے بھی علیؑ کی شکوہ سنج ہوئی ہوں اور ان دونوں میں ان بن یا رنجش و کشیدگی کی صورت پیدا ہوئی ہو، بلکہ ان کی گھریلو زندگی اتحاد و یکجہتی کا معیاری نمونہ تھی۔ حضرت عمار یاسرؓ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کی کنیت ابوتراب جمادی الثانیہ ۲ھ میں تجویز کی تھی کیونکہ غزوہ عشیرہ اسی مہینہ میں ہوا تھا اور جناب سیدہؑ سے حضرت علیؑ کا عقد غزوہ بدر کے بعد یکم ذی الحجہ ۲ھ میں ہوا تھا، یعنی اس کنیت کے تجویز ہونے کے چھ ماہ بعد، تو اس صورت میں نہ رنجش و کشیدگی کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ خفگی کی بنا پر گھر چھوڑ کر مسجد میں لیٹنے کا جبکہ اس وقت جناب سیدہؑ آپ کے نکاح میں تھیں ہی نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت اموی حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے گھڑی گئی ہے۔ جو تنقیص و مذمت اور سب و شتم کے موقع پر حضرتؑ کو اس کنیت سے یاد کرتے تھے۔ اگر یہ کنیت اسی مفروضہ رنجش کے موقع پر تجویز ہوتی تو جس نام کے ساتھ کوئی تلخ یاد یا ناگوار واقعہ وابستہ ہوتا ہے وہ نام کبھی مرغوب و پسندیدہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ حضرتؑ کو یہ کنیت اپنے تمام ناموں سے زیادہ پسندیدہ تھی۔ چنانچہ سہل بن سعد کہتے ہیں:

ما کان لعلی اسم احب الیہ من ابی تراب

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب ناموں سے زیادہ محبوب نام ابوتراب تھا۔ (صحیح بخاری جزو ۸ صفحہ ۶۳)

حلیہ مبارک:

جسم بھاری بھرکم، رنگ کھلتا ہوا گندم گوں، خدوخال انتہائی موزوں اور دلکش، چہرہ متبسم اور چودھویں رات کے چاند کی طرح درخشاں، قد میانہ سے کچھ نکلتا ہوا، آواز پرشکوہ، رفتار پیغمبر کی رفتار سے مشابہ پروقار اور کچھ آگے کو جھکی ہوئی، جب میدان جنگ میں دشمن کی طرف بڑھتے تو تیزی کے ساتھ چلتے اور آنکھوں میں سرخی دوڑ جاتی تھی۔

باب المتفرقات

حقائق زندگی اور امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام

تحریر: علامہ السید ذیشان حیدر جوادی

زندگی اور بندگی کے حقائق کو بے نقاب کرنے میں ائمہ معصومینؑ نے جو کردار ادا کیا ہے اس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی ہے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی انہی ائمہ اہل بیتؑ کی ایک فرد تھے، لہٰذا آپ کا دور اگرچہ شدت مصائب و آلام کا دور تھا لیکن آپ نے اپنے فرض منصبی کو ادا کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی۔ اور مسلسل حقائق مذہب کو بے نقاب کرتے رہے۔

ذیل میں صرف چند موضوعات کے بارے میں آپ کے ارشادات کو نقل کیا جا رہا ہے، جنھیں مختلف علماء و مصنفین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور جن سے امامت کے افکار و نظریات کا مکمل اندازہ ہو سکتا ہے۔

ایمان:

ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ بہترین عمل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہ ہو سکے۔

عرض کی وہ کیا ہے؟

فرمایا کہ ایمان، جو سب سے بلند ترین اور شریف ترین منزل عمل و کردار ہے۔

عرض کیا ایمان قول و عمل دونوں کا نام ہے یا صرف قول بلا عمل کا؟

فرمایا کہ ایمان کل کا کل عمل ہے، قول تو اس کی ایک جزء ہے جس کی وضاحت کتاب عزیز نے خود ہی کر دی ہے۔

عرض کی ذرا کچھ اور وضاحت فرمائیں کہ ہم سب لوگ سمجھ سکیں۔

فرمایا کہ ایمان کے درجات و حالات و طبقات و منازل ہیں۔ ایمان انتہائی کامل بھی ہوتا ہے اور انتہائی ناقص بھی اور نسبتاً کامل بھی۔

عرض کی: کیا ایمان زائد و ناقص ہوتا ہے؟

فرمایا: بے شک

عرض کی: کس طرح؟

فرمایا: اللہ نے ایمان کو انسان کے اعضاء و جوارح پر تقسیم کر دیا ہے اور ہر عضو کو ایمان کی ایک ذمہ داری سپرد کی ہے۔ کچھ ذمہ داریاں دل کی ہیں، جن کا خلاصہ سمجھنا اور تعقل کرنا ہے۔ وہ جسم کا امیر و رئیس ہے، اس کی رائے کے بغیر کوئی عضو حرکت نہیں کر سکتا اور کچھ ذمہ داریاں ہاتھوں، پیروں، آنکھوں، کانوں اور شرمگاہوں کی ہیں۔ دل کا فرض زبان سے مختلف ہوتا ہے۔ اور زبان کا فرض آنکھوں سے، آنکھوں کا فرض کانوں سے مختلف ہوتا ہے اور کانوں کا فرض ہاتھوں اور پیروں سے اور ہاتھوں پیروں کا فرض شرمگاہوں سے مختلف ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر دل کا فرض یہ ہے کہ اقرار، معرفت،

تصدیق، تسلیم ورضاء اور عقیدہ سے کام لے اور یہ سمجھے کہ خدا وحدہ لاشریک ہے، اس کا کوئی فرزند و ہمسر نہیں ہے۔ حضرت محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں، وغیرہ

(اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۳۸)

علم:

مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ امام موسیٰ کاظمؑ مسجد پیغمبرؐ میں داخل ہوئے تو کیا دیکھا کہ لوگ ایک شخص کے گرد جمع ہیں اور اس کی انتہائی تعظیم و تکریم کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے عرض کی کہ بہت بڑا عالم ہے۔

فرمایا کہ یہ بڑا عالم کیا ہوتا ہے۔

عرض کی کہ یہ تمام عرب کے انساب اور واقعات و حادثات کا جاننے والا ہے۔

فرمایا: یہ وہ علم ہے جس کا جاننا مفید ہے اور نہ جاننا مضر نہیں ہے، اسے علم نہیں کہتے ہیں۔ علم کی تین قسمیں ہیں۔ ☆ آیت محکمہ ☆ فریضہ عادلہ اور ☆ سنت قائمہ۔ اس کے علاوہ سب فضل ہے، علم نہیں ہے۔ حقیقی علم یہ ہے کہ انسان چار باتوں کی اطلاع پیدا کرے۔

☆ خدا کو پہچانے ☆ یہ پہچانے کہ اس نے انسان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہے ☆ یہ دریافت کرے کہ وہ بندے سے کیا چاہتا ہے ☆ یہ معلوم کرے کہ کون سی چیزیں انسان کو دین سے خارج کر دیتی ہیں۔

علم فقہ:

دینی معلومات کے بارے میں اپنے اصحاب کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا: ☆ علم دین حاصل کرو کہ یہ بصیرت کی کلید، عبادت کی تکمیل، بلند منزلوں کا ذریعہ اور اعلیٰ مراتب دنیا و آخرت کا وسیلہ ہے، عابد کے مقابلے میں عالم کا وہی مرتبہ ہے جو ستاروں کے مقابلہ میں آفتاب کا مرتبہ ہے، جو علم دین حاصل نہ کرے اللہ اس کے کسی عمل سے راضی نہ ہوگا۔ ☆ عالم سے مزبلہ پر بھی گفتگو کرنا جاہل سے فرش مخمل پر بات کرنے سے بہتر ہے۔ ☆ علماء رسولوں کے امانت دار ہیں، جب تک کہ دنیا داری میں داخل نہ ہوں، یہی میرے جد بزرگوار کا بھی ارشاد ہے۔

ایک شخص نے عرض کی کہ فرزند رسولؐ آخر دنیا داری میں داخل ہونے کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا: سلاطین کی پیروی، کہ ایسا کرنے والے علماء سے احتیاط کرنا بہر حال ضروری ہے۔

عمل:

ائمہ معصومینؑ نے عبادات کی طرح معاش کے لیے بھی زحمتیں برداشت کی ہیں، اور اہل دنیا کو یہ درس دیا ہے کہ یہ انسان کا ایک بہترین فریضہ ہے۔ امام جعفر صادقؑ ہاتھ میں کدال لیے پسینہ میں غرق محنت کر رہے تھے کہ ایک شخص نے گزارش کی کہ حضور یہ مجھے دے دیجیے، میں یہ کام کر دوں گا۔

فرمایا: طلب رزق کے لیے آفتاب کی تمازت میں کام کرنا مجھے بے حد پسند ہے۔

امام موسیٰ بن جعفرؑ اپنی زمین میں محنت کر رہے تھے کہ حسن بن علی بن ابی حمزہ کی نظر پڑ گئی۔ عرض کی کہ آپ کیوں زحمت فرما رہے ہیں، باقی لوگ کہاں چلے

گئے؟ فرمایا: یہ کام مجھ سے بہتر افراد نے بھی انجام دیا ہے۔عرض کی: وہ کون حضرات ہیں؟ فرمایا: مرسل اعظمؐ اور مولائے کائنات اور یہ تو جملہ انبیاء وصالحین کی سیرت رہی ہے۔ (من لایحضرہ الفقیہ جلد ۲ صفحہ ۳)

اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی اولاد کو سستی اور کسل مندی سے منع فرمایا کہ اس سے دنیا اور آخرت دونوں کا نصیب برباد ہوجاتا ہے۔ سستی کرنے والا مردوں کے حکم میں ہوتا ہے کہ اس کے پاس کوئی فکر اور تدبیر نہیں ہوتی ہے۔

خدمت خلق:

اپنے اصحاب کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: جس کے پاس کوئی برادر مومن مدد مانگنے کے لیے آئے اور وہ باوجود قدرت کے اسے رد کردے تو گویا اس نے ولایت الٰہی کے رشتہ کو منقطع کردیا ہے، اس لیے کہ پروردگار نے قضائے حوائج مومنین کا حکم دیا ہے اور مومن کا مدد مانگنے کے لیے آنا در حقیقت ایک رحمت پروردگار ہے اور مومن کو رد کردیا تو پروردگار اس کے اوپر آگ کے سانپ مسلط کردے گا جو قبر میں بھی اسے اذیت پہنچاتے رہیں گے۔

روئے زمین پر ایسے بندگان خدا موجود ہیں جو لوگوں کی حاجت برآری کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ روز قیامت کے ہول سے محفوظ رہیں گے اور جو بھی کسی مومن کو خوش کرے گا، پروردگار روز قیامت اس کے دل کو خوش حال بنادے گا۔ (وسائل الشیعہ باب الامر بالمعروف)

محاسبہ نفس:

محاسبہ نفس ایک انتہائی ضروری عمل ہے جس کی طرف ائمہ معصومینؑ نے اپنے چاہنے والوں کو برابر توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ امام موسیٰ بن جعفرؑ نے بھی فرمایا: جو شخص اپنے نفس کا حساب نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، محاسبہ نفس کا فائدہ یہ ہے کہ نیکی کرنے والا نیکی میں اضافہ کرتا ہے اور برائی کرنے والا توبہ و استغفار کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔

تھذیب اخلاق:

حضرت فرماتے ہیں: ☆ نیکیاں زیادہ بھی ہوں تو انھیں زیادہ نہ سمجھو اور برائیاں کم بھی ہوں تو انھیں کم نہ سمجھو کہ قلیل گناہ ہی بڑھ کر کثیر ہوجاتا ہے اور تنہائیوں میں خدا سے ڈرتے رہو تاکہ اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرسکو۔ ☆ ماں باپ کے ساتھ بہترین برتاؤ کرو، تاکہ جنت تک منحصر رہو اور برا برتاؤ نہ کرو، کہ جہنم تک محدود ہوکر رہ جاؤ۔ ☆ اللہ کی نعمتوں کا تذکرنا شکر ہے اور اس کا ترک کردینا کفران نعمت ہے۔ نعمتوں کا سلسلہ شکر سے ملا ہے اور اپنے اموال کا تحفظ زکوٰۃ کے ذریعہ کرو۔ بلاؤں کو دعاؤں کے ذریعہ رد کرو، اور یاد رکھو کہ دعا رد بلا کے لیے ایک سپر ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

تحریر: علامہ السید ذیشان حیدر جوادی

ماہ رجب ۱۹۵ھ کی دسویں تاریخ تھی جب امام رضا علیہ السلام کو پروردگار نے وہ فرزند عطا فرمایا جسے ان کے جملہ کمالات کا وارث اور ان کے منصب کا جانشین قرار دیا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک کے تقریباً ۴۷ سال گزر چکے تھے اور لوگ کبھی آپ کی امامت میں شک کرتے تھے کہ آپ کا کوئی فرزند نہیں ہے اور کبھی آپ کو طعنے دیتے تھے کہ رب العالمین نے آپ کو لاولد قرار دیا ہے، یہاں تک کہ ایک شخص نے آپ کو خط لکھ دیا کہ آپ لاولد ہیں، لہذا آپ کی امامت مشکوک ہے تو آپ نے فرمایا کہ عنقریب مجھے پروردگار ایسا فرزند عنایت کرے گا جو میرا وارث ہوگا اور حق و باطل کے درمیان امتیاز قائم کرنے والا ہوگا۔ (اصول کافی)

واضح رہے کہ امام علی رضا علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں۔ ایک مامون رشید کی بیٹی تھی، جس کا عقد باپ نے سیاسی مصالح کے تحت آپ سے کر دیا تھا اور ایک جناب سبیکہ تھیں جنھیں امام رضا خیزران اور ریحانہ کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے اور جناب ماریہ قبطیہ کے خاندان سے تھیں اور ان کی کنیت ام الحسن تھی لیکن یہ قدرت کا انتظام تھا کہ اس نے آپ کے وارث کو ایک عجمی خاتون کے بطن سے پیدا کیا اور سرکاری بیٹی کو اس شرف سے محروم رکھا کہ اس طرح منصب الہی کی غلط تقسیم کا تصور نہ پیدا ہونے پائے اور یہ طریقہ کار قدرت کا اس سے پہلے بھی رہا ہے کہ اس نے سیاسی اور مصلحتی شادیوں کو روا رکھا ہے لیکن ان رشتوں کو بارآور نہیں ہونے دیا کہ کسی طرح کی غلط فہمی کو رواج نہ دیا جا سکے۔

آپ کی عمر مبارک ۳ یا ۴ سال کی تھی کہ امام رضا نے بعض افراد کے جواب میں اس امر کی تصریح فرما دی تھی کہ یہ میرا فرزند میرے منصب کا وارث ہے اور یہی امام وقت ہے اور اس کی امامت پر تعجب کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ خداوند عالم نے بچپنے ہی میں جناب یحیی کو نبی قرار دیا ہے اور یہ اس کی اپنی مصلحت ہے کسی کے منصب کا اعلان گہوارہ میں کرا دیتا ہے اور کسی کا اعلان چالیس سال تک روک لیا جاتا ہے۔ (اصول کافی)

خراسان آنے کے بعد بھی خیرانی کے والد کا بیان ہے کہ میں نے حضرتؑ سے پوچھا کہ آپ کا وارث کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ابو جعفرؑ۔ میں نے عرض کی کہ وہ تو ابھی کم سن ہیں۔ فرمایا کہ مالک کائنات نے اس سے زیادہ کم عمر میں جناب عیسی کو نبی و صاحب کتاب اور صاحب شریعت بنا دیا تھا، لہذا یہ کوئی حیرت انگیز امر نہیں ہے۔ (اصول کافی)

بادشاہان وقت میں بوقت ولادت ہارون رشید کے فرزند امین کی حکومت چل رہی تھی۔ ۱۹۸ھ میں اسے اس کے بھائی مامون نے قتل کرادیا تو وہ تخت نشین ہوگیا اور ۲۱۸ تک اس کا دور حکومت رہا، اس کے انتقال کے بعد معتصم عباسی خلیفہ ہوگیا اور اسی نے ۲۰۲ھ میں پچیس سال کی عمر میں آپ کو زہر دے کر شہید کرادیا۔

امام رضاؑ کی شہادت ۲۰۳ھ میں ہوئی ہے لیکن آپ کو مدینہ سے دوسری صدی کے خاتمہ سے پہلے ہی طلب کرلیا گیا تھا اور اس طرح آپ اپنے والد محترم کے سایہ عاطفت سے نہایت ہی کمسنی میں محروم ہوگئے اور پھر بظاہر دونوں میں ملاقات بھی نہیں ہوسکی، یہاں تک کہ آپ خراسان باعجاز تجہیز و تکفین کے لیے تشریف لے آئے اور اس وقت بھی آپ کی عمر ۷۔۸ برس سے زیادہ نہ تھی۔

امام جوادؑ کی عمر تمام ائمہ طاہرینؑ میں سب سے کم رہی اور آپ نے دار دنیا میں صرف ۲۵ سال گزارے ہیں لیکن کمالات و فضائل اور نشر علوم و احکام میں کسی طرح کی کمی یا کوتاہی نہیں ہوئی اور ایک ایک جلسہ میں تیس ہزار سوالات کے جوابات عنایت فرمادیے ہیں جس جلسہ کا سلسلہ تین روز تک مسلسل قائم رہا تھا۔

اقوال حکیمانہ

☆ خدائے متعال پر اعتماد رکھنا ہی ہر قیمتی شے کی قیمت اور بلندی کا ذریعہ ہے۔

☆ مومن کی عزت لوگوں سے بے نیازی میں ہے۔

☆ ظاہر میں خدا کے دوست اور باطن میں اس کے دشمن نہ بنو۔

☆ جس نے خدا کی راہ میں ایک دوست حاصل کرلیا گویا جنت میں ایک گھر حاصل کرلیا۔

☆ بھلا وہ کس طرح ضائع ہوسکتا ہے جس کا ذمہ دار خدا ہو اور وہ کس طرح بچ کر جاسکتا ہے جس کا طلب گار خدا ہو، جو غیر خدا کا ہوجائے گا خدا اسے اسی کے حوالے کردے گا اور جو بغیر علم کے عمل کرے گا اس کا فساد اصلاح سے کہیں زیادہ ہوگا۔

☆ غلط آدمی کی صحبت سے پرہیز کرو کہ اس کی مثال شمشیر برہنہ کی ہے کہ دیکھنے میں بہت چمک دار معلوم ہوتی ہے لیکن انجام بہت برا ہوتا ہے۔

☆ خائن افراد کا امین ہونا خود بھی خیانت کار ہونے کے لیے کافی ہے۔

☆ ہر مومن کو تین چیزوں کی ضرورت ہے:
(۱) خدا کی توفیق (۲) اپنے نفس کی طرف سے موعظت (۳) دوسرے کی نصیحت کی قبولیت۔

☆ دل سے خدا کا قصد کرنا اعمال میں بدن کو تکلیف دینے سے زیادہ بہتر ہے۔

☆ جس نے خواہشات کا اتباع کیا اس نے دشمن کی تمنا پوری کردی۔

☆ ظلم بادشاہوں کے دور اقتدار کی آخری میعاد ہے

☆ صبر پر تکیہ کرو، فقر کو گلے لگاؤ، خواہشات کو چھوڑ دو، ہوا و ہوس کی مخالفت کرو اور یہ خیال رکھو کہ تم خدا کی نگاہوں سے غائب نہیں ہوسکتے ہو، تو ا۔

فیصلہ کرو کہ اس کے سامنے کیسا رہنا چاہتے ہو۔

☆ اگر کوئی شخص کسی معاملہ میں حاضر رہا اور اسے پسند نہ کیا تو گویا حاضر نہیں تھا اور اگر کسی کام سے غائب رہا اور اسے پسند کیا تو گویا اس میں حاضر رہا۔

☆ تحفظ بقدر خوف ہوا کرتا ہے۔

☆ خواہشات کا ارتکاب کرنے والا لغزشوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا ہے۔

☆ جب قضا آجاتی ہے تو فضا تنگ ہو جاتی ہے۔

☆ جو ظلم پر راضی ہو جائے اس کی ناراضی میں کوئی نقصان نہیں۔

اصحاب و تلامذہ

☆ ابو جعفر احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی کوفی

☆ ابو محمد فضل بن شاذان بن خلیل ازدی نیشاپوری

☆ ابو تمام حبیب بن اوس الطائی

☆ ابوالحسن علی بن مہزیار اہوازی

☆ ثقۃ الاسلام محمد بن ابی عمیر بغدادی

☆ محمد بن سنان ابو جعفر الزاہری

☆ ایوب بن نوح بن دراج الکوفی

☆ جعفر بن محمد بن یونس الاحول

☆ حسین بن سعید الاہوازی

☆ علی بن اسباط بن سالم

باب المتفرقات

نکاح و تزویج کے فوائد

تحریر: مولانا صادق حسین مگسی (کبیر والا)

رضائے خدا

خداوند متعال نے انسان کی ہر دو اصناف کو قوت شہوانی سے نوازا ہے۔ انسان کو قوت شہوانی کے مصرف کے لیے دو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ ان میں ایک صنف کو مرد اور اور دوسری ہستی کو عورت کہا جاتا ہے۔ ان ہر دو اصناف کے ملاپ اور اختلاط سے اسی انسان کی نسل کا سلسلہ جاری فرمایا ہے۔ اور بایں وجہ اسی میں اپنی مرضی و منشا کو منحصر قرار دیا ہے۔ خداوند قدیر اگر چاہے تو بغیر ان دونوں کے بھی اور بغیر سبب کے بھی انسان کو پیدا کرسکتا ہے، جیسا کہ حضرت آدمؑ و حوا کو پیدا کیا۔ مگر اس مسبب الاسباب نے آدم و حوا کی نسل کو دنیا میں باقی رکھنے کے لیے یہ طریقہ نکاح جاری کیا۔ اسی طرز و طریقہ اور سنت عالیہ سے نسل انسانی کو رائج فرمایا اور وہی اس کی رضا و منشاء ہے۔ چنانچہ اب حضرت آدمؑ کے ساتھ اس رشتہ و تعلق کو قطع کرنا اور نکاح نہ کرکے نسل انسانی کو نہ بڑھانا بہت بڑا جرم ہے اور منشاء الٰہی و رضائے خداوندی کے خلاف ہے۔

محافظت از شر شیطان

یہ مفہوم روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے کہ شیطان اس قوت شہوانی کے ذریعہ انسان کو راہ حق و جادہ عدل سے پھسلا کر عیاشی و فحاشی، بے راہ روی اور جنسی لغزشات میں پھنساتا ہے۔ کیونکہ شہوت کے ہیجان سے عقل و فکر میں زوال پیدا ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے: اذا قام ذکر الرجل ذھب ثلثا عقله یعنی جب کسی مرد کا آلۂ تولید ایستادہ ہوجاتا ہے تو اس کی ایک تہائی عقل زائل ہوجاتی ہے۔ اسی طرح عورت بھی جب حیا کا پردہ اتارتی ہے اور شہوت کے بحر تلاطم میں غوطہ زن ہوتی ہے تو پھر اسے کوئی طاقت نہیں روک سکتی، وہ حجابات شرم و حیا کی ہر منزل کو پھاند جاتی ہے۔ پس مرد و عورت کے حیا و شرم کو برقرار رکھنے کے لیے لازم ہے کہ وہ نکاح کے ذریعہ اس شہوت کا قلع قمع کریں اور محبت کے بندھن میں اسیر ہوکر باہمی حفاظت کا اہم فریضہ ادا کریں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا جس نے نکاح کیا اس نے نصف دین محفوظ کرلیا۔

محجۃ البیضاء میں ہے: لان الشھوۃ موکل متقاضی لتحصیل الولد فالنکاح کاف لشغله و دافع لحیله و صارف لشر سطوته۔ یعنی شہوت موکلہ اولاد کے حصول کا تقاضا کرتی ہے، لہٰذا اس امر کے لیے صرف نکاح کافی ہے اور نکاح ہی بدکاریوں کا دافع اور غلبہ شہوت کو روکنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کمزور

پیدا کیا ہے۔ فرمایا:

خلق الانسان ضعیفا۔ (النساء آیۃ ۲۸)

اس ضعف سے مراد انہ لا یصبر عن النساء کہ عورتوں کے ساتھ جماع کرنے سے صبر پر عاجز ہے۔

سورہ فلق میں ومن شر غاسق اذا وقب سے مراد آلہ تولید کا کھڑا ہو جانا بھی ہے۔

مجمع البیضاء میں فلسفہ نکاح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ولما کانت الشھوۃ اغلب علی الترجۃ العزب کان استکثار الصالحین منھم لنکاح اشد، ولاجل فراغ القلب ابیح نکاح الامۃ عند خوف العنت۔ چونکہ کنوارے پن میں مزاج پر شہوت کا غلبہ حاوی ہوتا ہے لہذا بدکاری سے بچنے کے لیے اور نیکی کی طلب کے لیے نکاح کی ضرورت کو اہمیت دی گئی ہے۔ پس بوجہ خوف بے راہ روی لونڈی (عورت) حلال کے ساتھ نکاح کو مباح قرار دیا گیا ہے۔ ان حالات سے واضح ہوجاتا ہے کہ متعہ (نکاح موجل) واقعی ایک شرعی ضرورت ہے اور اسی سے اس نکاح معین کی افادیت کا پتا چلتا ہے۔ چنانچہ:

مجمع البیضا میں ہے: عقد منقطع یعنی متعہ تو اللہ اور رسول کی جانب سے اپنے بندوں پر ایک نعمت عطا کی گئی تھی مگر عامہ نے حضرت عمر کی اتباع کرتے ہوئے اس برکت کو حرام قرار دے کر خود کو ہلاکت میں ڈال لیا، جبکہ انھوں نے ہی فرمایا تھا کہ عہد رسالت میں دو متعہ جائز تھے مگر میں ان دونوں کو حرام قرار دیتا ہوں اور ان پر (ان کے بجالانے پر) سزا دوں گا۔ یعنی آپ کی مراد متعہ النساء اور متعہ الحج تھی اور ان دونوں کو حرام قرار دے کر احکام الٰہی و رسالت پناہی کو ممنوع قرار دینے پر جرأت کا مظاہرہ کیا ہے۔ وھذا قول مشھور ذکرہ جم غفیر من علمائھم و عدہ ابو الھلال العسکری من اولیاتہ کما نقلہ السیوطی فی تاریخ الخلفاء۔ اس حکم کو علماء کے بہت سے مشاہیر علماء مثل ابو الہلال عسکری اور علامہ سیوطی وغیرہم نے اولیات حضرت عمر سے شمار کیا ہے۔ جبکہ افاضل علماء متعہ دائم یعنی نکاح دائمی کو بمنزلہ اجارہ الشی قرار دیا ہے اور نکاح منقطع یعنی متعہ بمنزلہ تملک الشی قرار دیا ہے، اسی لیے اس پر تمام احکام اجارہ جاری ہوتے ہیں۔ پس جب شارع ملک اور اجارہ پر تمام امور میں جواز کا حکم جاری کرے جس طرح ضرورت اور حاجت کے لیے کسی بضاعت میں حکم جواز پایا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا:

احل لکم ماوراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃ ان دونوں آیات بابرکات میں ایک مقرر اور معین مدت کے لیے تمتع کا جواز ظاہر ہے۔ کیونکہ حرام عورتوں کے علاوہ تمام عورتوں سے تمتع کا جواز ثابت ہے۔

اول فاتوھن اجورھن میں لفظ اجرت نکاح میں شرط صدقاتھن نحلۃ کا غیر ہے۔ لہذا اس سے اجارہ کی صورت میں متعہ کا شرعی ہونا متحقق ہے۔

دوم والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم اذا اتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین و لا متخذی اخدان۔ یعنی کتابیہ اور مومنہ محصنہ کے ساتھ اجرت پر تمتع کو جائز قرار دیا ہے۔ لہذا یہاں بھی لفظ

اجرت تمتع کے جواز پر دلالت کرتا ہے جس طرح پہلی آیت بھی بالصراحت دلالت کرتی تھی، مزید برآں یہ کہ جہاں جہاں قرآن حکیم میں نکاح کے لیے لفظ اجورھن وارد ہوا ہے۔ وہ نکاح متعہ پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا نکاح متعہ واقع ہونے سے بھی ممتوعہ پر بیوی ہونے کا اطلاق ہوجاتا ہے۔

فرمایا: یا ایھا النبی انا احللنالک ازواجک اللاتی اتیت اجورھن و ما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک و بنات عمک و بنات عماتک۔

یعنی اس آیت کے ذریعہ متعہ میں داخل ہونے والی عورت کو بیوی ہی کہا گیا ہے اور اجرت کو شرط کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور مدت تمام ہونے کے بعد عورت بغیر طلاق کے آزاد ہوجاتی ہے۔

الغرض شہوت کے قلع قمع کے لیے نکاح کی اہمیت واضح ہے تاکہ انسان شہوت پرستی کی خاطر شیطان کی فصیل میں اسیر نہ ہوجائے، چار عورتوں سے بیک وقت نکاح کا جواز بھی اسی امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ مومن کو کئی گنا زیادہ قوت ودیعت کی گئی ہے۔

سوم معاونت: نیک بیوی اپنے شوہر کی عظیم معاون ہوتی ہے، اسی لیے بیوی کو شریک حیات اور شریک سفر کا خطاب دیا گیا ہے۔ انسان کسب معاش کے فریضہ کو اطمینان قلبی سے ادا کرسکتا ہے۔

محجۃ البیضاء میں ہے: الفائدۃ الرابعۃ تفریغ القلب عن تدبیر المنزل و التکفل بشغل الطبخ و الکنس و الفرش و تنظیف الاوانی و تھیۃ اسباب العیشۃ. فان الانسان لولم یکن لا ستھدۃ الوقاع تعتذ علیہ العیش فی منزلہ وحدہ.

اگر انسان کو جماع کی خواہش ودیعت نہ کی گئی ہوتی تو اس کا تنہائی میں زندگی بسر کرنا دشوار ہوجاتا۔ پس نکاح کرنے کے باعث انسان تدبیر منزل (خانہ داری) کفالت افراد خانہ، طعام، جھاڑو برداری بستر وغیرہ برتنوں کی صفائی اور معیشت کے اسباب کی تیاری سے بے نیاز ہوجاتا ہے، لہٰذا یہ تمام نعمتیں صرف شہوت کے جائز استعمال یعنی نکاح کے ذریعہ خود بخود حاصل ہوجاتی ہیں۔ ارشاد ہے:

ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ۔ اس سے مراد زوجہ صالحہ بھی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: لیتخذ احدکم لسانا ذاکرا و قلبا شاکرا و زوجۃ صالحۃ مومنۃ تعینہ علی آخرتہ. تم میں سے ہرایک پر لازم ہے کہ لسان ذاکر قلب شاکر اور ایسی زوجہ مومنہ صالحہ کو اختیار کرے جو آخرت کے لیے تمہاری مدد کرتی ہو۔

چہارم راحت: بیوی مرد کی وزیر و مشیر ہوتی ہے تو وہ راحت قلبی و بدنی کا سامان بھی فراہم کرتی ہے۔ کیونکہ جب انسان غموم و ہموم کی مسموم ہواؤں سے دل تنگ ہوجاتا ہے تو دنیا میں اسے عشق و محبت، پیار والفت اور راحت و فرحت کی وادی میں واپس لانے والی فقط بیوی ہی ہوتی ہے۔ پس ان پر نظر کرنا، ملاعبت و مجالست اور ان کا انس و محبت روح کی تسکین کا باعث ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ نے کسی عورت کو تزویج میں لانے سے قبل اس کے اوصاف کی تحقیق انیق کرنے کا حکم دیا ہے۔

بالخصوص محبت رکھنے والی عورت کو اہمیت دی ہے۔

فرمایا: افضل النساء امتی اصبحن وجھا واقلھن مھرا۔ کہ میری امت کی تمام عورتوں میں سے افضل وہ عورت ہے جو حسن وصباحت میں بدرِ کامل ہو اور مہرو اجر میں قلیل مقدار پر راضی ہو۔ ایسی عورت اپنے شوہر کو سرمایہ حسن کے علاوہ سرمایہ عبادت بھی فراہم کرے تو وہ ثواب میں زوجہ ایوبؑ کا درجہ پاتی ہے۔ چنانچہ:

ارشادِ نبویؐ ہے: انما مرئۃ اعانت زوجھا علی الحج و الجھاد او طلب العلم اعطاھا اللہ من ثواب مایعطی امرئۃ ایوب۔ یعنی جو بیوی اپنے شوہر کو حج و جہاد یا طلب علم پر معاونت کرے تو اللہ تعالیٰ اسے حضرت ایوبؑ کی بیوی جتنا ثواب عطا کرے گا۔

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا جو عورت اپنے مرد کو مجبور کرے اور اگر وہ تو بہ نہ کرے تو ظالمہ ہے اور فرعون وقارون وہامان کے ساتھ محشور ہو کر درک اسفل میں ڈال دی جائے گی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: انما المرئۃ لعبۃ فمن اتخذھا فلیصنھا۔ عورت ایک کھلونا ہے جو بھی پائے اس کی حفاظت کرے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: سب سے اچھی عورت وہ ہے جو شوہر کی ناراضگی کی صورت میں اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر کہے کہ میں تمھیں نہ جانے دوں گی جب تلک تو راضی نہ ہو جائے۔

بہر حال عورت سکون وراحت کا ایک منفرد عطیہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عطا کیا ہے اور بے شمار نعمات کا حامل ہے۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔

پنجم مجاہدۃ النفس: جیسا کہ مجاہدہ وریاضت نفسانی افضل ترین عبادات سے ہے (النساء) یہ عبادت بھی بہت سی ریاضت پر مشتمل ہے۔ مثلاً اہل وعیال کی کفالت، تربیت اولاد، کسب حلال، اولاد کی تربیت اور ان کی بدخلقی پر صبر کرنا وغیرہ۔

یاد رہے کہ بیوی اور اولاد مثال رعایا کے ہے، مرد ان کا والی وحاکم ہے اور کفیل بن کر عہدہ ولایت پر فائز ہے۔ فرمایا کلکم راع و کلکم مسئول۔ ہر شخص راعی ہے اور رعیت بھی۔

انسان کو مجرد حیثیت سے یہ ریاضت میسر نہیں ہوتی۔ لیکن نکاح کے بعد ازدواجی زندگی میں اسیر ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ ان مجاہدات میں قدم رکھنے لگتا ہے۔ پھر ان عہدوں سے عہدہ برآ ہونے اور ان بوجھوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے خود کو ریاضت کی زندگی میں داخل کر دیتا ہے۔ پس یہی مجاہدہ وریاضت عبادت کا اعلیٰ جز و اور عبادت الٰہی کا اعلیٰ عنصر شمار ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے: یوم من وال عادل افضل من عبادۃ سبعین سنۃ۔ اہل وعیال کی کفالت میں سرگرداں رہنا اور ایک دن صرف کرنا ستر سالہ عبادت سے افضل ہے۔

فرمایا: کسب الحلال و النفقۃ علی العیال۔ حلال کمانا اور حلال کھانے علائم ابدال سے ہے۔

فرمایا: الکاد فی نفقۃ عیالہ کالمجاھد فی سبیل اللہ عز و جل۔ اپنے اہل وعیال کے نفقہ کے لیے مشقت و

ریاضت کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مانند ہے۔

اسی طرح بیوی کی بدخلقی بھی نیک شخص کے لیے کفارہ گناہ کا سبب بن جاتی ہے، بشرطیکہ معاملہ حد سے تجاوز نہ کرجائے۔ کیونکہ صرف بدخلقی کی وجہ سے طلاق دینا مناسب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض انبیاء کی بیویوں کی بدخلقی کو انبیاءؑ کے ثواب و درجات کے اضافہ کا باعث قرار دیا گیا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: تزوجوا و لا تطلقوا فان الطلاق یھتمز منه العرش۔ نکاح کرو اور طلاق نہ دو کہ طلاق سے عرش الٰہی کانپ جاتا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: من حسنت صلاته و کثر عیاله و قل ماله ولم یغتب المسلمین کان معی فی الجنة کھاتین۔ کہ جس کی نماز عمدہ ہو عیال بھی زیادہ مال کم ہو اور کسی مسلمان کی غیبت بھی نہ کرے تو ان دو انگلیوں کے ملاپ کی طرح وہ مومن میرے ساتھ جنت میں رفیق ہوگا۔

اسی اصول کے تحت تین لڑکیوں کی کفالت و پرورش اور تربیت، تزویج پر جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

ششم اولاد: فھو الاصل و المقصود و المطلوب۔ نکاح کے دیگر فوائد اگرچہ جزوی ہیں مگر اصل فائدہ تو بقاء نسل کا ہے۔ واضح رہے کہ اولاد سرمایہ حیات ہے۔ صدقہ جاریہ ہے، بشرطیکہ نیک و صالح ہو۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: ان جمیع عمل ابن آدم ینقطع الا من ثلاث، علم ینفع و صدقة جاریة و ولد صالح یدعواله۔ مرنے کے بعد انسان کا ذاتی عمل تمام ہو جاتا ہے مگر عالم کا فائدہ دینے والا علم صدقہ جاریہ اور فرزند صالح جو باپ کی مغفرت کے لیے اعمال صالحہ بجالاتا ہو، اس کا صحیفہ عمل کھلا رہتا ہے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

میراث الله من عبده المومن ولد صالح یستغفرله۔ کہ اللہ کی طرف سے بندہ مومن کے لیے میراث اس کا نیک بیٹا ہے جو اس کے لیے استغفار کرتا رہتا ہو۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کسی مومن کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو اسے مرنے سے قبل وارث عطا فرماتا ہے، جو شخص بلا اولاد مرگیا گویا وہ تو دنیا میں آیا ہی نہیں، جو اولاد رکھتا ہو اور مرجائے تو گویا وہ مرا ہی نہیں۔

محجۃ البیضاء میں ہے کہ چار وجوہ سے اولاد کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اول نسل انسانی کی بقاء کے لیے محبت خدا سے موافقت رکھنا، دوم کثرت امت پیغمبرؐ کے باعث محبت رسول کا مستحق ہونا، سوم نیک اولاد کی طرف سے دعا و استغفار کرکے ذریعہ نجات اخروی پانا، چہارم اولاد کی موت کے باعث شفاعت کا حاصل ہونا۔

باب المتفرقات قسط نمبر ۱۳

خلافت قرآن کی نظر میں

تحریر: محقق عصر مولانا سید محمد حسین زیدی برتی مدظلہ چنیوٹ

خدا کا نظام وراثت

خدوند تعالیٰ کا نظام وراثت دو طرح سے جاری ہے۔ ایک نظام تو وہ ہے جس میں اولاد اپنے آباء واجداد کی وارث بنتی ہے، یہ شرعی وراثت کہلاتی ہے۔ دوسرا نظام وراثت وہ ہے جس میں وہ کافروں کو ہلاک کرکے اہل ایمان کو ان کا وارث بناتا ہے۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کافر کو قتل کرکے اس کے مال پر قبضہ کرلے اور اس کا مالک بن جائے۔ البتہ خدا کو ہر بات کا اختیار حاصل ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لیکن وہ بھی خواہ مخواہ میں کسی کو قتل کرکے اس کے مال پر قبضہ کرنے کے لیے نہیں کہتا۔ اس نے اپنے بندوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں، اس کی اطاعت کریں، اس کا حکم مانیں اور اس کی قانونی حکومت اور اقتدار اعلیٰ کے اپنے مقرر کردہ نمائندے یعنی رسول کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے خدا پر ایمان لے آئیں۔ لیکن جب کافی مہلت دینے کے بعد بھی اس کے بندے سرکشی سے باز نہ آئیں اس کے رسولوں کو بھی ستائیں اور اس کے رسول پر ایمان لانے والوں کو بھی ستائیں اور تکلیفیں پہنچائیں تو خداوند تعالیٰ کافی حد تک مہلت دے کر اور اپنے رسولوں کے ذریعہ خوب اچھی طرح اتمام حجت کرکے ان کافروں کو ہلاک کردیا کرتا ہے اور ایمان لانے والوں کو ان کا جانشین اور ان کے مالوں کا وارث بنادیتا ہے۔ اور کافروں کو ایمان نہ لانے کی صورت میں ہلاک کرکے ان کے مالوں کا اہل ایمان کو وارث بنانے کا کام سوائے خدا کے اور کوئی نہیں کرسکتا اور نہ ہی اور کسی کے لیے کسی دوسرے کے مال پر قبضہ کرنا جائز ہے۔ یہ ہوا اس طرح ہے کہ جب خدا کے رسول اتمام حجت کرلیتے ہیں اور کافی مہلت دینے کے بعد بھی کافر باز نہیں آتے، نہ ایمان لاتے ہیں نہ رسولوں کو ستانے اور اہل ایمان کے لیے مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے کرنے سے رُکتے ہیں تو وہ فرستادہ الٰہی اور خداوند تعالیٰ کی حکومت اور اقتدار اعلیٰ کا اپنا مقرر کیا ہوا نمائندہ عالم اضطراب میں ان کفار کے لیے عذاب کی بد دعا کرتا ہے، لہٰذا خدا ان کفار پر عذاب نازل کرکے ان کو ہلاک کردیتا ہے اور اس طرح نہ صرف اہل ایمان کی مصیبتیں دور ہوجاتی ہیں بلکہ وہ ان کے مالوں کے مالک اور وارث بھی بن جاتے ہیں، وراثت کے حقوق خدا نے ہی مقرر کیے ہیں۔ آباء واجداد کے ورثے کے حقوق بھی خدا نے ہی مقرر کیے ہیں اور کافروں کو اپنے عذاب سے ہلاک کرنے کے بعد ان کے مالوں کے وارث اہل

ایمان کو بنانے کا حق بھی اسی نے مقرر کیا ہے۔ خدا نے اپنے اقتدار اعلیٰ کے نمائندے کی ایسے وقت میں دعا کو دعائے مضطر کہا ہے جو وہ اہل ایمان سے مصیبتوں کو ٹالنے کے لیے بارگاہ ایزدی میں کرتا ہے۔ اسی چیز کو خداوند تعالیٰ نے سورہ مومن میں اس طرح بیان کیا ہے:

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ

آیا وہ کون ہے جو مضطر کی دعا کو قبول کرتا ہے؟ جب بھی وہ (کفار کو عذاب سے ہلاک کرنے اور اہل ایمان سے مصیبتوں کو دور کرنے کے لیے) دعا کرتا ہے اور (کون ہے وہ جو کافروں کو اپنے عذاب سے ہلاک کر کے ان کی طرف سے دی جانے والی) تکلیفوں سے (اہل ایمان کو نجات دیتا ہے؟ اور تم کو (ان کافروں کے مالوں اور زمینوں میں) ان کا جانشین اور وارث بنا دیتا ہے۔ کیا اللہ کے سوا اور بھی کوئی خدا ہے؟ (یہ کام تو صرف اللہ ہی کا ہے نہ کوئی مضطر کی دعا کو قبول کرسکتا ہے نہ کوئی اللہ کے سوا کافروں پر عذاب نازل کرسکتا ہے اور نہ ہی کوئی کافروں کے مالوں اور زمینوں میں اہل ایمان کو ان کا جانشین اور وارث بنا سکتا ہے۔ اللہ کے نزدیک ایسا سوچنا یا ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے) اور اللہ کی ذات ان کے اس شرک سے پاک، برتر اور بالاتر ہے۔ (مومن: ۷)

پیغمبر اکرمؐ سے پہلے خدا کا وعدہ استخلاف کیسے پورا ہوا

پیغمبر اکرمؐ کے ذریعہ خدا کے اس وعدہ استخلاف کا صحیح مفہوم جاننے کے لیے ضروری ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ اس وعدہ استخلاف سے پہلے اور کس نے وعدہ استخلاف کیا تھا اور کس سے کیا تھا، اور وہ کس طرح سے پورا ہوا تھا۔ کیونکہ پیغمبر اکرمؐ کے ذریعہ خدا کے اس وعدہ استخلاف میں واضح طور پر یہ کیا گیا ہے کہ

لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم

انھیں ضرور ضرور اسی طرح سے زمین میں جانشین اور وارث بنائے گا جس طرح سے ان لوگوں کو وارث اور جانشین بنایا تھا جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ (النور: ۵۵)

لفظ کما حرف تشبیہ ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو جانشین و وارث بنایا تھا اسی طرح سے انھیں بھی جانشین بنایا جائے گا، جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ سے پہلے یہی وعدہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے کیا تھا اور وہ اس طرح سے ہے۔

قَالَ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّکُمْ وَ یَسْتَخْلِفَکُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ

(حضرت موسیٰؑ نے) کہا قریب ہے کہ تمھارا رب تمھارے دشمن کو ہلاک کردے اور تم کو ان کا جانشین (اور ان کی جگہ ان کی زمینوں، مکانوں، مالوں کا مالک و وارث بنا دے) اور پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

اس سے پہلے اس کتاب کا عنوان لیستخلفکم ہی تھا جس میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دشمنوں کو کس طرح سے ہلاک کیا اور ان کو ان کے باغات ان کے چشموں ان کی زمینوں اور ان کے مکانات کا کس طرح

(باقی صفحہ ۴۰ پر)

☆ آہ مولانا خیر محمد ننکانی صاحب مرحوم

اک شمع اور بجھی اور بڑھا اندھیرا

مولانا خیر محمد صاحب مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کم و بیش پچاس سال سے مجالس و محافل کی زینت تھے۔ بڑے اچھے انداز میں اور ہلکے پھلکے طریقہ سے تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ شریف النفس، ملنسار اور ہنس مکھ آدمی تھے، مخلص تھے، باوفا تھے، دوستوں کے دوست اور یاروں کے یار، زندہ دل آدمی تھے۔ ع

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

موت برحق ہے، مگر مرحوم کی وفات سے دینی حلقوں میں بڑا خلا واقع ہوا ہے۔ دعا ہے کہ خداوند عالم مرحوم و مغفور کی مغفرت فرمائے اور سرکار معصومینؑ کے جوار پر انوار میں مقام اعلیٰ علیین عطا فرمائے اور تمام پسماندگان اور مرحوم کے احباب کو صبر جمیل واجر جزیل مرحمت فرمائے آمین یارب العالمین بحق النبی وآلہ الطاہرینؑ

ہم مرحوم کی تمام اولاد بالخصوص بڑے صاحبزادے تسلیم الرضا خان کو تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں اور ہر قسم کے تعاون کا عزیز موصوف کو یقین دلاتے ہیں۔

☆ آہ سید مصور عباس ترمذی۔ ہم نے بڑے افسوس کے ساتھ یہ خبر غم سنی کہ کوٹ فرید سرگودھا کے روح رواں جناب سید مصور عباس ترمذی مختصر علالت کے بعد راہی ملک بقا ہو گئے ہیں۔ دعا ہے کہ خداوند عالم مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر واجر سے نوازے بحق النبی وآلہ۔

☆ ہم نے بڑے قلق و اضطراب کے عالم میں یہ خبر سنی کہ جناب سردار شوکت حیات مکین آف سرگودھا کے والد ماجد دار دنیا سے دار آخرت کی طرف رحلت فرما گئے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون

دعا ہے کہ خداوند عالم مرحوم کی مغفرت فرمائے اور سردار صاحب کو صبر جمیل واجر جزیل سے نوازے۔

☆ سید خادم حسین پاسدار سلطان المدارس کے برادر نسبتی اور قیصر عباس و وسیم عباس کے والد سید غلام عباس شاہ آف گدڑ کھادی ضلع سرگودھا طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

(شریک غم ادارہ)

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے؟

❁ ہر شخص کو ایک نہ ایک دن عمل کی دنیا سے رخصت ہونا ہے اور جزا کے عالم میں سمانا ہے۔ یہاں جو کچھ اور جیسے اس نے عمل کیے اسی لحاظ سے اس کو مقام ملنا ہے۔ خوش نصیب ہیں، وہ افراد جنھوں نے اپنے مستقبل پر غور کیا اور اس چند روزہ زندگی میں ایسے کام کیے جس سے ان کی زندگی زیست ہو گئی۔

❁ آپ بھی اگر چاہتے ہیں کہ قیامت تک آپ کے نامۂ اعمال میں نیکیاں جاتی رہیں اور ثواب میں اضافہ ہوتا رہے تو فی الفور حسبِ حیثیت قومی تعمیراتی کاموں میں دلچسپی لیں اور قومی تعمیراتی اداروں کو فعال بنا کر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں۔

❁ ان قومی اداروں میں سے ایک ادارہ جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا بھی ہے۔ آپ اپنے قومی ادارے جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ کی اس طرح معاونت فرما سکتے ہیں۔

1. اپنے ذہین و فطین بچوں کو اسلامی علوم سے روشناس کرانے کے لیے ادارہ میں داخل کروا کر۔
2. طلبہ کی کفالت کی ذمہ داری قبول کر کے۔ کیونکہ فرمان معصوم ہے جس کسی نے ایک طالب علم کی ٹوٹے ہوئے قلم سے بھی مدد کی گویا اس نے ستر مرتبہ خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔
3. ادارہ کے تعمیراتی منصوبوں کی تکمیل کے لیے سیمنٹ، بجری، ریت، اینٹیں وغیرہ مہیا فرما کر۔
4. ادارہ کی طرف سے ماہانہ شائع ہونے والا رسالہ "دقائقِ اسلام" کے باقاعدہ ممبر بن کر اور بروقت سالانہ چندہ ادا کر کے۔
5. ادارہ کے تبلیغاتی پروگراموں کو کامیاب کر کے۔

آپ کی کاوشیں اور آپ کا خرچ کیا ہوا پیسہ صدقہ جاریہ بن کر آپ کے نامہ اعمال میں متواتر اضافے کا باعث بنتا رہے گا۔

ترسیل زر کے لیے:

پرنسپل جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا ○ فون 0301-6702646

Registered No. (G) H.C/722

میٹرک ایف اے سطح تک کے طلباء کی

دینی اور ذہنی تربیت کا انتظام کیا جاتا ہے

داخلہ کے خواہش مند طلبا درج ذیل پتے پر رابطہ کریں

نوٹ شامل ہونے والے طلبا موسمی بستر ہمراہ لائیں

جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاھد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا فون 048-3021536

0307- 6719282 الخطاط کمپوزرز